فلولانفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين (القرآن)

ائمہ اربعہ کی اہمیت

اور

فقہ حنفی کی خصوصیت

اجتہاد کی فرضیت، فقہ اسلامی کی اہمیت، تقلید ائمہ کی ضرورت
اوران کے خلاف کی جانے والی سازشوں کی مذمت

علامہ سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
اور دیگر علماء ندوہ کی تحریرات کی روشنی میں

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی
استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر
ادارہ افادات اشرفیہ دوبگّا ہردوئی روڈ لکھنؤ

فلولانفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدّين (القرآن)

ائمہ اربعہ کی اہمیت
اور
فقہ حنفی کی خصوصیت

اجتہاد کی فرضیت، فقہ اسلامی کی اہمیت، تقلید ائمہ کی ضرورت
اوران کے خلاف کی جانے والی سازشوں کی مذمت

علامہ سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
اور دیگر علماء ندوہ کی تحریرات کی روشنی میں

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی
استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر
ادارہ افادات اشرفیہ دوبگّا ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب: ائمہ اربعہ کی اہمیت اور فقہ حنفی کی خصوصیت

افادات : فخر ندوہ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

انتخاب وترتیب: محمد زید مظاہری ندوی

سن اشاعت: ۱۴۳۶ھ

صفحات : ۱۶۰

قیمت : ۱۲۰ روپئے

ویب سائٹ............WWW.alislahonline.com

ملنے کے پتے

☆ دیوبند وسہارنپور کے تمام کتب خانے

☆ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ

☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ مکتبہ رحمانیہ ہتورا، باندا، پن کوڈ: ۲۱۰۰۱

☆ مکتبۃ الفرقان نظیر آباد لکھنؤ

☆ مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ بمبئی ۹

فہرست کتاب

باب ۲

امام ابوحنیفہؒ کی اہمیت اور فقہ حنفی کی خصوصیت
حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی نظر میں ۴۴

فصل

(فتاویٰ عالمگیری، اہمیت اورامتیازات وخصوصیات)

فصل متفرقات

باب۳

اجتہاد کا بیان

باب۴ تقلید کا بیان

باب ۵

خطرناک مہم اورافسوس ناک سازش

باب ٦

فصل

☆☆☆

☆

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی دامت برکاتہم
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام علیٰ سيد المرسلين خاتم النبيين سيدنا محمدوعلیٰ آلهٖ وصحبه الغر الميامين، ومن تبعهم باحسان الی يوم الدين ،ودعابدعوتهم اجمعين ،اما بعد:

اسلامی شریعت انسان کی نیک سیرت وخیر پسندزندگی کا نہایت جامع اور متوازن قانون ہے اور یہ اس کرۂ ارض کی تاریخ میں اللہ رب العالمین کے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ انسان کو بتایا جاتا رہا ہے اور یہ مختلف زبانوں اور قوموں کو ان کے مقام اور وقت کے حالات کے لحاظ کے مطابق دیا جاتا رہا ہے، لیکن اللہ رب العزت کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے علاقائی تعلق سے اوپر اٹھ کر عالمی دائرے میں اور اس دنیا کے اختتام تک کے لئے اس کو پیش آنے والی ضرورت کے لحاظ سے دیا گیا ہے، اس قانون شریعت اسلامی کی ہدایات ایسی ہدایات ہیں کہ ان میں انسان کو اس کرۂ ارض پر عزت ونیک سیرت اور امن وسلامتی کی رعایت والی زندگی گذارنے کا پورا لحاظ ہے، یہ ہدایات خود رب العالمین کے کلام کے ذریعہ اور بطور مزید اس کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے انسانوں کو دی گئی ہیں۔

یہ ہدایات عربی زبان میں ہیں، عربی زبان سے واقف حضرات اس میں انسانی

زندگی کے تقاضوں کے مطابق ان سے معلومات حاصل کرتے ہیں اس کے لئے عربی سے اچھی واقفیت اور قانونی عبارت کو صحیح طور پر سمجھنے سے ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے، ان کو باریکی کے ساتھ سمجھنا سمجھانا فقہ کہلاتا ہے، چنانچہ قرآن وحدیث کو پڑھنے پڑھانے والے اس فقہ کا کام ہر دور میں کرتے رہے ہیں، اور ہر دور میں زندگی کی ضرورتوں کے مطابق ان کو واضح کرتے رہے ہیں، ان کو سمجھنے والوں کی طرف سے وضاحت میں فرق بھی ہوا ہے، لیکن یہ فرق قوانین کے بنیادی حصہ میں نہیں ہے، صرف ان پر عمل کرنے کے انداز میں ہے، اس کی بناء پر فقہ کے کئی مسلک بن گئے ہیں، وہ سب صحیح اور حق ہیں ، ان میں بنیادی لحاظ کا کوئی فرق نہیں ہے، ان مسلکوں میں حنفی مسلک زیادہ باریکی اور وسیع دائرہ رکھتا ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ دارالعلوم ندوہ العلماء کے استاد مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی جو عرصہ سے علمی وتحقیقی کام کی تحریرو اشاعت کا کام انجام دے رہے ہیں، انہوں نے فقہ کے سلسلہ میں ندوۃ العلماء کے بعض اہم علماء کی آراء جمع کر کے ایک کتاب کی صورت دے دی ہے، اس میں ندوۃ العلماء کے مایہ ناز عالم علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی آراء جمع کی ہیں ، زیادہ تر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی آراء پیش کی ہیں وہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے طریقہ کے بھی مطابق ہیں، امید ہے کہ ندوۃ العلماء کا جو کہ دینی علوم کے ساتھ دنیا کے ضروری علم کو ملانے کا نقطۂ نظر رکھتا ہے، فقہ کے سلسلہ میں انداز وطریقہ اس کتاب سے واضح ہوگا، امید ہے یہ کوشش پسند کی جائے گی۔

(حضرت مولانا) محمد رابع حسنی ندوی

ندوۃ العلماء لکھنؤ

تقریظ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی

صدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی علوم میں فقہ اسلامی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، یہ کتاب اللہ اور سنت رسول کا عطر ہے، جس میں نہ صرف عملی احکام؛ بلکہ عقیدہ وایمان اور اخلاق وتصوف کے بھی بہت سے مسائل آجاتے ہیں، اسلامی تاریخ کی بہترین ذہانتیں اس علم کے پروان چڑھانے، اس کے گیسو سنوارنے اور اس کے چشم وابرو کو آراستہ کرنے میں صرف ہوئی ہیں، فقہ اس دعوی کا عملی ثبوت اور واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت قیامت تک کے لئے ہے اور آپ ﷺ کی تعلیمات میں ہمیشہ ہمیش کے لئے انسانیت کی رہنمائی کا سامان موجود ہے؛ اس لئے آپ ﷺ کے بعد نہ کسی نبی کی ضرورت ہے اور نہ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کے بعد کسی نئی کتاب کی۔

فقہ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود شریعت محمدی کی؛ چنانچہ عہد نبوی ہی سے اجتہاد واستنباط کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، فقہ کے مدونِ اول امام ابوحنیفہ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے کتاب وسنت کی ہدایات، صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاوی اور سلف صالحین کے استنباطات، نیز اپنے اجتہادات کو اس طرح مدوّن ومرتب فرمادیا کہ وہ ایک مکمل نظامِ حیات کی شکل میں امت کے سامنے موجود ہے اور زندگی کے کسی بھی مسئلے میں غور کرنے کے لئے اس کو شریعت کے دائرہ سے باہر جانے کی ضرورت نہیں، بعد کو مختلف مجتہدین نے اِن ہی خطوط پر اپنے اجتہادات کو مرتب کیا اور مختلف دبستانِ فقہ وجود میں آئے۔

اسی لئے ہر دور کے بالغ نظر، زمانہ شناس اور فکر ارجمند کے حامل علماء نے فقہ اسلامی کی اہمیت کو نہ صرف محسوس کیا ہے؛ بلکہ معاصر اہل علم کو اس کی طرف توجہ کرنے کی دعوت بھی دی ہے، ایسی ہی اہم شخصیتوں میں ندوۃ العلماء کے دو قابل افتخار فرزند علامہ سید سلیمان ندویؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ شامل ہیں، یہ دونوں ہی فکر ولی اللٰہی کے ترجمان تھے، ان دونوں پر علامہ ابن تیمیہ کی تحریروں کا گہرا اثر تھا اور یہ دونوں وسیع المشربی اور فراخ چشمی میں ایک مثال کا درجہ رکھتے تھے، ان بزرگوں نے فقہ کی اہمیت وضرورت ، ائمہ اربعہ کے اجتہادات وکارناموں کی اہمیت ، اجتہاد وتقلید کی ضرورت اور مسلمانانِ ہند کی نسبت سے فقہ حنفی کی خصوصیات وامتیازات پر جو کچھ لکھا ہے، یہ افادات مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے تھے، محبی فی اللہ جناب مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی (استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے ان کو جمع کر دیا ہے۔

مؤلف زید مجدہ کو اللہ تعالیٰ نے علم وتحقیق کا ذوق اور تصنیف وتالیف کا سلیقہ عطا فرمایا ہے، وہ ایک کامیاب مدرس بھی ہیں اور سلیقہ مند مؤلف بھی، خود ان کی اپنی تحریریں بھی بہت خوب ہوتی ہیں اور اس میں علم وتحقیق کے جواہر پارے جمع ہوتے ہیں ؛لیکن یہ ان کی قربانی ہے کہ انہوں نے تصنیف سے زیادہ تالیف پر اور خود اپنی بات لکھنے سے زیادہ بزرگوں کی تحریروں کی جمع وترتیب پر توجہ دی، انہوں نے حضرت تھانویؒ کے بکھرے ہوئے افادات کو جس خوبصورتی اور سلیقہ مندی کے ساتھ جمع کیا ہے، ہر صاحب علم اس کی داد دے گا، اس کی وجہ سے اُن علمی گہر پاروں تک رسائی آسان ہوگئی ہے، جو کتابوں کے سمندر میں یہاں وہاں چھپے ہوئے تھے، ان کی مثال اس چیونٹی کی ہے جو جگہ جگہ سے شکر جمع کرتی ہے، یا شہد کی اُس نفع بخش مکھی کی ہے جو مختلف پھلوں اور پھولوں سے رس کشید کر کے اُن کو شہد کا پیکر عطا کرتی ہے، امید ہے کہ مؤلف کی دوسری کوششوں کی طرح اس کتاب کو بھی پذیرائی حاصل ہوگی ، اور قارئین تقلید کی

ضرورت واہمیت، ائمہ اربعہ کے کارناموں کی عظمت اور پھر تقلید میں اعتدال ومیانہ روی جیسے اہم موضوعات کو ایسے اہل علم کے قلم سے پڑھ سکیں گے، جن کا فکری اعتدال تمام اصحاب نظر کے نزدیک مسلّم ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی عمر، صحت اور علمی خدمات میں خوب برکت عطا فرمائے اور قلم کا یہ مسافر نہ کبھی تھکے اور نہ کبھی اس کا سفر شوق تمام ہو۔

خالد سیف اللہ رحمانی

۲۷؍دسمبر ۲۰۱۳ء

تقریظ

حضرت مولانا عتیق احمد صاحب استاد فقہ ندوۃ العلماء لکھنؤ وسکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا وصدر معہد الشریعہ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبان وقلم کے ذریعہ دین کی خدمت کا سلسلہ اس امت میں برابر جاری ہے ، ہر دور میں اللہ کے بندے اس دور کی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق زبان وقلم سے دین کی خدمت میں مصروف رہے اور اب بھی یہ مبارک سلسلہ جاری ہے۔

فقہاء امت نے قرآن وسنت، اجماع وقیاس کے ذریعہ نت نئے مسائل کا حل پیش کیا اور اجتہاد واستنباط کر کے نئے حالات ومسائل میں امت مسلمہ کی رہنمائی کی، اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی قبولیت سے نوازا، ان کے فقہی مسالک کو عامۃ المسلمین میں قبولیت اور رواج حاصل ہوا، امت نے ان کے اجتہادات پر پورا اعتماد کیا۔

اجتہاد ایک فریضہ ہے تو تقلید امت کی ایک ناگزیر ضرورت ،جن لوگوں میں اجتہاد کی صلاحیت نہیں ہے (امت کی غالب اکثریت کا یہی حال ہے، ہزاروں میں ایک دو اشخاص اجتہادی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں) انہیں دین پر چلنے اور عمل کرنے کے لئے تقلید کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے، دور حاضر میں اجتہاد وتقلید کے موضوع پر بہت سے لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں اور اس موضوع کو لے کر برصغیر میں کافی انتشار واختلاف پایا جاتا ہے۔

ہندوستان کے محقق اور بابصیرت علماء نے اجتہاد وتقلید کے سلسلہ میں راہ

اعتدال کی نشاندہی کی ہے، ماضی قریب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب ''الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد'' قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

ادھر چند سالوں سے یہ موضوع پھر گرم ہو گیا ہے اور غیر متوازن کتابیں اور مضامین شائع ہونے لگے ہیں، حالات کا تقاضا محسوس کر کے جناب مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی زید مجدہم استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بزرگوں حضوصاً حضرت تھانویؒ کے علمی افادات کو سلیقے سے مرتب کرنے کا خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے) نے تقلید واجتہاد کے موضوع پر چند اکابر (علامہ سید سلیمان ندوی، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ ،حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہٗ کی نہایت قیمتی اور فکر انگیز تحریروں کو مرتب کر کے علمی دسترخوان سجایا ہے۔

زیر نظر کتاب ''اسلام میں فقہ کی اہمیت وضرورت'' انہیں تحریروں کا مجموعہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ مفتی محمد زید صاحب کی دوسری کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی قبولیت حاصل کرے گی اور راہ اعتدال کی نشاندہی کرنے میں کامیاب ہوگی۔

عتیق احمد

استاد فقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

وسکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا وصدر معہد الشریعہ لکھنؤ

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلم شریف میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دین نام ہے خیر خواہی اور ادائے حقوق کا، حضرت تمیم داریؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر خواہی کس کے لئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: **لـلّـه ولکتابہٖ ولرسولہٖ ولأ ئمة المسلمین وعامتھم۔** (مسلم شریف کتاب الایمان حدیث ۱۹۴)

یعنی دین نام ہے اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کے ساتھ خیر خواہی اور حقوق ادا کرنے کا اور دین نام ہے عامۃ المسلمین وائمۃ المسلمین کے ساتھ خیر خواہی اور ادائے حقوق کا۔

امام بخاریؒ نے تو اپنی کتاب بخاری شریف میں باب ہی یہی منعقد کیا ہے:

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحة للہ ولرسولہٖ ولائمة المسلمین ۔ (بخاری شریف باب ۴۲ حدیث ۵۷)

اس کی شرح میں شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں:

ومن جملة ائمة المسلمین ائمة الاجتھاد وتقع النصیحة لھم ببثّ علومھم ونشر مناقبھم وتحسین الظن بھم ۔

(فتح الباری شرح بخاری ص ۱۸۴ ج ۱، فتح الملہم شرح مسلم ص ۱۵ ج ۲)

یعنی ائمۃ المسلمین کے ساتھ خیر خواہی میں ائمہ مجتہدین بھی شامل ہیں، اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے مدوّن کردہ علوم کو پھیلایا جائے، ان کے فضائل ومناقب کو عام کیا جائے، ان کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے جس میں یہ بھی شامل ہے کہ ان پر ہونے والے اعتراضات کا دفاع بھی کیا جائے۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً ہر زمانہ میں علماء محققین نے ائمہ اربعہ کے فضائل ومناقب بیان کئے اوران کے مدوّن کردہ فقہ کی حفاظت کی ،اوراس کوعام کرنے اور پھیلانے کی کوشش کی اوران پر ہونے والے اعتراضات کا بھرپور دفاع بھی کیا، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے تواس موضوع پرایک رسالہ ''**رفع الملام عن الائمة الاعلام**''تحریرفرمایا جس میں ائمہ مجتہدین کے مدوّن کردہ فقہ کی اہمیت کو بیان کیااور ساتھ ہی ان پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیئے اوران کی شخصیت پر کئے جانے والے حملوں کا پوردفاع بھی کیا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص۸۶۲و۳۰۵ج ۲۰)

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی فیوض الحرمین ،عقدالجید فی الاجتہاد والتقلید ،الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف وغیرہ میں اس موضوع پر تفصیلی کلام فرمایاہے،جس میں ائمہ مجتہدین کی اہمیت اوران کی تقلید کی ضرورت کو بیان کیا ہے۔

اسی خیرخواہی اور نیک جذبہ سے احقر نے بھی اس مجموعہ میں اجتہادوتقلیداورائمہ مجتہدین سے متعلق علامہ سیدسلیمان ندوی اور مفکراسلام حضرت مولانا سیدابوالحسن علی ندویؒ اوردیگرعلماءندوہ کے مضامین جمع کئے ہیں جوان کے مختلف مقالات وتصانیف سے ماخوذ ہیں،صرف انتخاب وترتیب اورعنوانات کا اضافہ احقر کی طرف سے ہے،مجموعہ کے اخیر میں بطورضمیمہ کے اتحاد واتفاق اور تقلید شخصی کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اورحضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ العالی کا مضمون بھی شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس کوقبول فرمائے اور امت کی اصلاح وہدایت اوراتحادواتفاق کا ذریعہ بنائے۔

محمد زید مظاہری ندوی
استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ

ائمہ اربعہ کی اہمیت

اور

فقہ حنفی کی خصوصیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ سيد المرسلين
محمدوعلىٰ آلهٖ واصحابهٖ اجمعين

باب ۱

فقہ کی حقیقت اور تدوینِ فقہ کی ضرورت ☆

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

اللہ رب العالمین نے انسانوں کے علاوہ دیگر مخلوقات کو پیدا فرمانے کے بعد ان کے صرف جسم کی پرورش کا انتظام کیا، لیکن انسان، اشرف المخلوقات کے لئے اس کی جسمانی بقا کا سامان مہیا کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے لئے روحانی وملکوتی غذا کا بھی نظم کیا ، کیوں کہ بقول شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ انسان بہیمیت اور ملکوتیت ، دونوں کا مجموعہ ہے، چونکہ غذاءِ روحانی کا مسئلہ بڑی حد تک انسانی عقل کی دسترس سے باہر تھا اس لئے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ برابر رہنمائی کی جاتی رہی۔

آخر میں نبی آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرما کر انسانیت کے لئے ایک جامع ومکمل نظام حیات عطا کیا، جس سے جسمانی وروحانی ضرورتیں پوری ہوسکیں، اسی مکمل نظام حیات کا نام اسلام (یا شریعتِ اسلامی) ہے۔ بعد میں اس کا جاننا ''فقہ'' (اور جاننے والے کو ''فقیہ'') کہا جانے لگا، جیسا کہ امام غزالیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب

☆اس پورے مضمون کے اقتباسات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مقالات وخطبات، تصانیف اور کاروان زندگی (جلد ۷) نیز تاریخ دعوت وعزیمت سے ماخوذ ہیں، ترتیب اور عنوانات کا اضافہ مرتب کی طرف سے ہے۔ بعض موقعوں میں دوسرے علماء کی عبارتیں ذکر کی گئی ہیں وہاں پر ان کے نام کی تصریح حوالہ کے ساتھ کردی گئی ہے۔

''المستصفی''میں بتایا ہے:

''الفقه عبارة عن العلم والفقه.... لكن صار بعرف الفقهاء عبارة عن العلم بالاحكام الشريعة لافعال المكلفين''۔[1]

(فقہ کے لغوی معنی ''علم''اور ''سمجھ'' کے ہیں ۔۔۔۔لیکن بعد میں ''مکلّف'' (عاقل بالغ) انسانوں سے متعلق اللہ کی طرف سے دیئے گئے احکام شریعت جاننے کا نام''فقہ'' ہوگیا)۔[2]

تفقہ فی الدین کی تعریف

''تفقہ'' بہت جامع لفظ ہے، اس میں احکام ومسائل،ان کی حکمتیں،مواقعِ استعمال،ان کے تطبیق کے مواقع،خطاب کے طریقے،سب اس کے اندر آجاتے ہیں، ''تفقہ'' کا لفظ ایسا اللہ تعالیٰ نے استعمال کیا ہے کہ اس سے جامع لفظ ہو ہی نہیں سکتا کہ ''دین کی سمجھ حاصل کریں'' عربی زبان میں ''سمجھنے'' کے لئے بیسوں لفظ ہو سکتے ہیں،فہم ،معرفت،تعقل،لیکن ''تفقہ'' کا لفظ خاص معنی رکھتا ہے۔

اس کے معنی ہیں ''دین میں گہری سمجھ حاصل کرنا'' اور'' دین کے ذخیرہ پر عمیقانہ نظر رکھنا'' زمانہ کی ضرورت کو سمجھنا اور بدلتے ہوئے زمانہ اور دائمی دین کے درمیان رشتہ پیدا کرسکنا۔

''لِيَتَفَقَّهُوْ افِي الدِّيْنِ '' دین کی سمجھ حاصل کریں،دین میں گہری اور وسیع سمجھ (تفقہ) یعنی وہ ''دین کے احکام ومسائل'' کا علم حاصل کریں۔[3]

[1] المستصفی ص۴ج۱،مطبع امیریہ بولاق [2] تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص۱۱
[3] قرآنی افادات ص۲۵۹

’’من یرد اللّٰہ بہٖ خیراً یفقّھہ فی الدین‘‘ کی تشریح

لِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْھِمْ!(سورہ توبہ پ۱۱)

اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا مکلّف کیا ہے، جس کی ترغیب دی، اس آیت میں اس کے مقصد بیان کئے ہیں، ایک خود علم حاصل کریں، سمجھ حاصل کریں۔

علم یہ نوشت وخواند کا علم نہیں، اس کو علم وتفقہ نہیں کہا جاتا، **من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین** میں:

’’دین کے مسائل واحکام اوران کی علتیں، ان کے مواقع استعمال، ان کی تفہیم وتخصیص کے مواقع سب اس کے اندر آجاتے ہیں‘‘۔[۱]

کتاب وسنت، اجماع وقیاس سے ماخوذ احکام احکامِ شرعیہ ہیں

’’احکام شریعت‘‘ کا مطلب یہ بتایا گیا ہے:

مالایدرک لولاخطاب الشارع، سواء کان الخطاب بنفس الحکم اوبنظیرہ المقیس ھو علیہ[۲](تلویح مع التوضیح ص۱۱)

حاصل یہ ہے کہ خداوندتعالیٰ کی طرف سے کتاب وسنت کے ذریعہ جواحکام انسان کے لئے دیئے گئے اور پھران کی روشنی میں جواجماع وقیاس سے اخذ کئے گئے وہ سب ہی ’’احکام شریعت‘‘ ہیں، جن کا دائرہ پوری انسانی زندگی کومحیط ہے، اوران کا حاصل یاخلاصہ امام شاطبیؒ نے اس طرح بیان کیا ہے:

اتفقت الأمة....علی أن الشریعة وضعت للمحافظة علی الضروریات الخمسة وھی الدین والنفس والنسل والمال والعقل[۲]

---

[۱] قرآنی افادات ص۲۶۰، تعمیر حیات ۱۰رجون ۱۹۸۶ء [۲] الموافقات للشاطبی ج۱ص۳۸

(پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ شریعت کا اصل موضوع ان پانچ چیزوں کی حفاظت ہے: (۱) دین (۲) جان (۳) نسل (۴) مال (۵) عقل۔

شریعت کا مقصد ایک عالی مرتبہ فقیہ (ابن عابدین علامہ شامیؒ) کے الفاظ میں ''سعادۃ الدارین'' ہے[۱] یعنی صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ دونوں جہان میں انسان کو کامرانیوں سے ہمکنار کرنا ہے۔[۲]

اجتہاد واستنباط کے ذریعہ فقہ کو مرتب کرنے کی ضرورت

اس وقت (یعنی اسلام کی ابتدائی صدیوں میں) دو مسئلوں کی طرف فوری توجہ کی ضرورت تھی، ایک تو یہ کہ حدیث وسنت کے سرمایہ کو محفوظ ومدون کرلیا جائے، جو محدثین کے سینوں اور منتشر سفینوں میں تھا[۳]، یہ نئے مسائل کے استنباط کا بہت بڑا ذریعہ اور فقہ اسلامی کا ایک بہت بڑا ماخذ تھا۔

دوسری ضرورت فقہ کی تدوین اور استنباط واجتہاد کی تھی، قرآن وحدیث میں اگرچہ زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اصول وکلیات موجود ہیں اور ان سے باہر کہیں جانے کی ضرورت نہیں، مگر زندگی متغیر ہے اور انسان کے حالات وضروریات غیر محدود اور بے حد متنوع، ان اصول وکلیات کو زندگی کے ان تغیرات وتنوعات پر حاوی بنانے کے لئے اور ہر نئی حالت اور نئی ضرورت کے لئے ان کی ترجمانی وتشریح کے لئے اجتہاد واستنباط کی ضرورت تھی۔ لہٰذا فقہ کی تدوین، مسائل کا استنباط واستخراج، جزئیات وفتاویٰ کی ترتیب، اسلام کی ایسی عملی ضرورت تھی، جس کو بالکل موخر نہیں کیا جاسکتا تھا۔[۴]

---

[۱] ردالمحتار ص۲۷ ج۱ [۲] تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص۱۲ [۳] حدیث کے جمع وتدوین کا کام عہد تابعین سے شروع ہو چکا تھا، دوسری ہی صدی میں حدیث کے مختلف مجموعے تیار ہو چکے تھے۔
[۴] تاریخ دعوت وعزیمت ص۷۴، ۸۰ ج۱

اصولِ شرع کی خصوصیت اور فقہائے مجتہدین کا بڑا کارنامہ

شریعت کے اصولوں میں ایسی گہرائی و گیرائی اور لچک ہے کہ ان کی روشنی میں ہر زمانہ حتی کہ آج کے ترقی پذیر دور میں بھی پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کیا جاسکتا ہے، اور یہ صرف خوش کن دعوے نہیں بلکہ ہر زمانہ میں ماہرین شریعت (فقہاء) نے اس کا عمل مظاہرہ کیا ہے، جس پر تاریخ شاہد ہے، دوراول (خلافتِ راشدہ، خلافتِ امویہ، خلافت عباسیہ کی ابتداء) میں جب اسلامی حکومتوں کا سایہ جزیرۃ العرب سے نکل کر افریقہ، ایشیا، بلکہ یورپ تک پھیل گیا تھا، اور طرح طرح کے تمدنی، معاشرتی، معاملاتی اور نئے نئے مسائل کا سامنا ہوا تو اس محترم گروہ (فقہاء) نے ان کا حل ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر پیش کیا جس سے حکومتوں اور عوام کو کسی اور کا دست نگر ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئی، اس دور میں ائمہ اربعہ اور ان کے ممتاز ترین تلامذہ کے کارہائے نمایاں پر اجمالی نظر ڈالنے سے ہی مذکورہ دعوے کی تصدیق ہوسکتی ہے۔

یہ اجتہاد فقہ کی تدوین اور شرعی احکام کا استنباط اپنے اپنے زمانے اور اپنے اپنے وقت پر ظہور میں آیا اس میں نہ کچھ پہلے ہوا اور نہ بعد میں، اس فقہ کا یہ نمو طبائع الاشیاء اور امور کائنات کی نہج کے عین مطابق ہے کیونکہ اس دین کی عالمگیریت اسی امر کی متقاضی ہے۔

یہ ویسا ہی طبعی اور منطقی تقاضا تھا جیسا کہ علم الصرف ، نحو، عربی زبان کے قواعد، بلاغت اور بیان کے علوم کی نشو ونما کا حال ہے، ان میں سے ہر ایک کی بنیاد سابقہ عربوں کے کلام، عربی زبان میں نازل شدہ قرآن حکیم اور شعر عرب پر استوار ہے، جب کہ عرب اور عجم کے اختلاط اور اسلام پر عمل کرنے والوں کے لئے تمام عربی علوم کی تدوین کی نسبت فقہ کی تدوین زیادہ ضروری تھی، کیونکہ فقہ ہر مسلمان کی زندگی

[1] مقدمہ مجموعہ قوانین اسلامی مسلم پرسنل لاء ص: ۱۷

کا احاطہ کرتی ہے عبادت اور عقیدہ سے اس کا مضبوط رشتہ ہے، اخروی زندگی اور اس پر مرتب ہونے والے ثواب وعذاب، سعادت اور بدبختی نیز بخشش اور ہلاکت پر فقہ کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔[1]

اسلامی معاشرہ کی بقا کیلئے تدوینِ فقہ کی شدید ضرورت تھی

اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ عبادات کے احکام ومسائل بیان کئے جائیں تاکہ سہو ونسیان اور انسانی بھول چوک اور شریعت سے ناواقفیت کی وجہ سے جو باتیں پیش آتی ہیں ان کو حل کیا جائے، جو لوگ نئے نئے اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے ہیں ان کے مسائل کا حل، نماز میں بھول چوک، رکعات میں کمی زیادتی، روزہ دار کے احکام ومسائل، زکوٰۃ کب اور کن چیزوں پر کتنی مقدار میں فرض ہے، اسی طرح حج جیسی عبادت جس کی ادائیگی میں خاصا وقت صرف ہوتا ہے اور ایک بڑے رقبہ میں حاجی کو شعائرِ حج ادا کرنے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی ضرورت پیش آتی ہے اور قدم قدم پر سنت اور اسوۂ نبوی کا لحاظ اس کو رکھنا پڑتا ہے، ان تمام امور میں فوری احکام اور بروقت فیصلہ کی ضرورت تھی، کسی ادنیٰ تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور نہ ہی اس بات کی ضرورت کہ ہر کس وناکس کو قرآن وسنت سے براہ راست رجوع کرکے مسائل اخذ کرنے کا مشورہ دیا جائے، اس لئے یہ ضروری تھا کہ احکام وجزئیات کا وجود ہو اور فقہی ذخیرہ آسانی کے ساتھ ہر ایک کو میسر آسکے، ایسے سرآمد روزگار علماء اور ماہرین شریعت کی موجودگی بھی ضروری تھی جو عوام کی رہنمائی کے لئے ہر وقت مستعد ہوں۔[2]

اس لئے لازمی ہے کہ ضروری احکام، ان کی جزئیات اور فقہی معلومات بآسانی میسر ہوں اور ایسے علمائے کرام بھی موجود ہوں، جو شرعی علوم میں مہارت

[1] اجتہاد اور فقہی مذہب کا ارتقاء ملحقہ خطبات علی میاں جلد ششم ص ۳۵۲　[2] اجتماعی اجتہاد ص ۱۱

رکھتے اور رہنمائی کے لئے مستعد ہوں، اسلامی معاشرے کی سلامتی اس امر میں پنہاں ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کی طرح عبادات میں تحریف وتصرف نہ کرے، اسلام کے سوا دیگر مذاہب میں ماہوار یا سالانہ تقریبات میں شریک ہونے والوں میں کوئی رشتہ قائم نہیں ہوتا حالانکہ وہ سب ایک ہی مذہب کے پیرواور ایک ہی عمل میں مشغول ہوتے ہیں، وہاں طمانیت قلب یا صبغۃ اللہ جیسی کسی چیز کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اس کے برعکس مسلمانوں کی مسجدیں حج اور دینی مراکز وحدت اسلامی کے رشتہ میں پروئے ہوئے ہوتے ہیں، ان میں یگانگت اور اتحاد ہے، عقیدہ اور عبادت کی وحدت نمایاں ہے اور وہ ایک ہی شریعت کے پیرو ہیں، اس وحدت کا سہرا دینی ہدایات کے صحت اور ان کی یگانگت کے سر ہے، پھر محدثین اور فقہاء بھی لائق تحسین ہیں جو اس امت کے قانونی خزانے کی حفاظت کرتے رہے اور اس کا تعلق اپنے حقیقی سرچشمہ اور متحدہ دینی نظام سے جوڑے رکھا۔[1]

اسی بنا پر اسلام دیگر مذاہب کی طرح تاریخی یادگاروں کا ایسا میوزیم بننے سے محفوظ ہوگیا جہاں ہر طرح کی عبادات اور طرح طرح کی حرکات وسکنات پائی جاتی ہیں، اس کا مشاہدہ ہمیں ان مذاہب کے ماہانہ یا سالانہ تہواروں میں اچھی طرح ہوجاتا ہے جن کے ماننے والوں میں عملی وحدت اور یکجہتی کا فقدان ہوتا ہے اور نہ ہی ان میں روحانیت اخلاقی ودینی رنگ پایا جاتا ہے، اس کے برعکس مسلمانوں کی مساجد، حج کے مقامات اور شعائر کی ادائیگی، سب میں یکسانیت، نظم ووحدت، ہم آہنگی اور باہمی ربط واتحاد پایا جاتا ہے، ان میں عقیدے اور عبادات کی وحدت ہوتی ہے کہ ایک ہی شریعت کے آگے سب سرنگوں ہوتے ہیں، اس کے دو بنیادی اسباب ہیں:

[1] اجتہاد اور فقہی مذہب کا ارتقاء خطبات علی میاں جلد ششم ص ۳۵۱

ایک تو یہ کہ دینی تعلیمات میں حیرت انگیز وحدت اور اصالت ہے، دوسرے محدثین اور فقہاء کا کمال اور ان کا عظیم احسان ہے کہ انہوں نے اپنی غیر معمولی جدوجہد سے اسلامی شریعت کے ذخیرہ کو نہ صرف محفوظ اور باقی رکھا بلکہ قرآن وسنت اور یکساں دینی نظام سے اس کو مربوط کر دیا۔[1]

تدوینِ فقہ ائمہ مجتہدین کی بروقت وبرمحل قابل قدر خدمت

اسلامی فقہ کی تدوین وترتیب اور شرعی احکام ومسائل کے استنباط میں جس اجتہادی بصیرت کا ثبوت دیا گیا ہے وہ انتہائی بروقت مناسب اور برمحل تھا، اور فطری ومنطقی تقاضوں اور اس انسانی، عالمی اور ابدی دین کی خصوصیات کے عین مطابق..... جس طرح صرف ونحو، عربی زبان وبیان کے قواعد کی بنیاد قرآن مجید، عربی اشعار اور اولین عرب کے کلام پر رکھی گئی اور ان کا تدریجی ارتقاء ہوا، اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ فقہ کی تدوین انتہائی ضروری تھی کہ عرب وعجم پر یہ دین حاوی تھا، اور اس کے دائرے میں داخل ہونے والا ہر مسلمان اس کا مکلّف ہے، اس لئے بھی کہ فقہ کا تعلق مسلمان کی پوری زندگی سے ہوتا ہے اور عقیدہ وعبادت سے اس کا غیر معمولی ربط وتعلق اور اخروی عذاب وثواب، نجات وہلاکت اور سعادت وشقاوت کا دارومدار ان فقہی احکامات پر ہی ہے۔[2]

ائمہ مجتہدین تدوینِ فقہ کی خدمت انجام نہ دیتے تو امت ناقابل تلافی خسارے میں مبتلا ہو جاتی

اگر خدانخواستہ علمائے متقدمین فقہی اجتہاد واحکام اور مسائل کے استنباط واستخراج میں کسلمندی اور سستی اور ڈھیل سے کام لیتے اور جدوجہد کی زندگی کے بجائے

[1] اجتماعی اجتہاد ص۱۱،۱۲ [2] اجتماعی اجتہاد ص۱۳

راحت وآرام کو اختیار کرتے یا ان کے علمی کارنامے اہمیت کے حامل نہ ہوتے اوران کے فطری ملکہ اور صلاحیت میں جمود وتعطل پیدا ہوجاتا تو اس وقت کی حکومت عملی زندگی اور وقت کے مطالبات وتقاضوں سے مجبور ہوکر رومی اور ایرانی قوانین کو اسلامی دنیا پر منطبق کردیتی، اس لئے کہ نئے حالات ومسائل سے مسلمانوں کا سابقہ تھا، تجارت وزراعت، جزیہ وخراج، محکومین اور مفتوحہ ممالک کے نئے نئے مسائل درپیش تھے، قدیم عادات ورواج کا بہت بڑا ذخیرہ اور نئی نئی ضروریات تھیں جو مسلمانوں کی قوت فیصلہ اور اسلامی احکام کی منتظر تھیں، ان میں سے نہ کسی ضرورت کو ٹالا جاسکتا تھا اور نہ سرسری طور پر ان سے گزرا جاسکتا تھا، حکومت مفصل ومکمل آئین وقانونِ سلطنت کی طالب تھی، حکومت کی انتظامی مشین کو روکا نہیں جاسکتا تھا، اگر قانون اسلامی کی ترتیب میں تاخیر ہوتی تو وہ رومی یا ایرانی قانون اختیار کرنے پر مجبور تھیں، جس کا نتیجہ وہ ہوتا جو اس وقت کی نام نہاد اسلامی سلطنتوں کا ہوا ہے، علماء کی ذراسی غفلت اور محافظینِ سنت کی دماغی کاہلی اور راحت پسندی اس امت کو ہزاروں برس کے لئے اسلامی معاشرت اور اس کے اجتماعی قوانین کی برکت سے محروم کردیتی۔

یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد [۱]

تدوین فقہ کا بڑا فائدہ

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ان ائمہ فن اور صاحب اجتہاد علماء کا پیدا ہوجانا اس دین کی زندگی، اور اس امت کی کارکردگی کی صلاحیت کی دلیل تھی، ان کی کوششوں اور ذہانتوں سے اس امت کی علمی ومعاملاتی زندگی میں ایک نظم اور وحدت پیدا ہوگئی اور اس ذہنی انتشار اور معاشرتی بے نظمی اور ابتری سے محفوظ ہ رگئی جس کی قوتیں اپنے ابتدائی

[۱] اجتماعی اجتہاد ص۱۰

عہد میں شکار ہو چکی ہیں، انہوں نے فقہ کی ایسی بنیادیں قائم کردیں اور ایسے اصول مرتب کردیئے جن سے بعد میں پیش آنے والے مسائل اور مشکلات کے حل کرنے میں مدد لی جاسکتی ہے اور عام معتدل زندگی کو باقاعدہ اور شرعی رہنمائی کے ساتھ گذارا جاسکتا ہے۔[1]

ائمہ اربعہ کی خصوصیت اور ان کے مدوّن کردہ فقہ کی اہمیت

یہ اللہ کا بہت بڑا فضل تھا اور اس امت کی اقبال مندی کہ اس کارِ عظیم (اجتہاد) کے لئے ایسے لوگ میدان میں آئے، جو اپنی ذہانت، دیانت، اخلاق اور علم میں تاریخ کے ممتاز ترین افراد ہیں، پھر ان میں سے چار شخصیتیں:

امام ابوحنیفہؒ (م: ۱۵۰ھ)
امام مالکؒ (م: ۱۷۹ھ)
امام شافعیؒ (م: ۲۰۴ھ)
امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ)۔

جو فقہ کے چار دبستان فکر کے امام ہیں، اور جن کی فقہ اس وقت تک عالمِ اسلام میں زندہ اور مقبول ہے، اپنے تعلق باللہ، للّٰہیت، قانونی فہم، علمی انہماک اور جذبۂ خدمت میں خاص طور پر ممتاز ہیں، ان حضرات نے اپنی پوری زندگی اور اپنی ساری قابلیتیں اس بلند مقصد اور اس اہم خدمت کے لئے وقف کردی تھیں، انہوں نے دنیا کے کسی جاہ واعزاز اور کسی لذت وراحت سے سروکار نہیں رکھا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ کو دوبار عہدۂ قضاء پیش کیا گیا اور انہوں نے انکار کیا، یہاں تک کہ قید خانہ میں ہی آپ کا انتقال ہوا۔

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت ص ۸۲ ج ۱، تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص ۲۵

امام مالکؒ نے ایک مسئلہ کے اظہار میں کوڑے کھائے اور ان کے شانے اتر گئے۔

امام شافعیؒ نے زندگی کا بڑا حصہ عسرت میں گزارا اور اپنی صحت قربان کردی۔

امام احمد بن حنبلؒ نے تن تنہا حکومتِ وقت کے رجحان اور اس کے ''سرکاری مسلک'' کا مقابلہ کیا اور اپنے مسلک اور اہل سنت کے طریقہ پر پہاڑ کی طرح جمے رہے۔

ان میں سے ہر ایک نے اپنے موضوع پر تن تنہا اتنا کام کیا اور مسائل وتحقیقات کا اتنا بڑا ذخیرہ پیدا کردیا، جو بڑی بڑی منظّم جماعتیں اور علمی ادارے بھی آسانی سے نہیں پیدا کرسکتے۔

امام ابوحنیفہؒ نے تراسی (۸۳) ہزار مسائل اپنی زبان سے بیان کئے، جن میں سے اڑتیس (۳۸) ہزار عبادات سے تعلق رکھتے ہیں اور پینتالیس ہزار معاملات سے۔[۱]

شمس الائمہ کردی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے جس قدر مسائل مدون کئے، ان کی تعداد چھ لاکھ ہے۔[۲]

''المدونہ'' میں جو امام مالکؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے (چھتیس ہزار) مسائل ہیں۔

''کتاب الام'' جو امام شافعیؒ کے افادات کا مجموعہ ہے، سات ضخیم جلدوں میں ہے۔

ابوبکر خلال (م ۳۱۱ھ) نے امام احمدؒ کے مسائل چالیس جلدوں میں جمع کئے، اس کتاب کا نام ''الجامع العلوم لامام احمدؒ'' ہے)

اس امت پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے اس اہم منصب کی سہولت کے لئے امت کو ایسے رجال کار عطا فرمائے جن کا شمار نابغہ روزگار میں ہوتا ہے اور ان کی نظیر

---

[۱] فجر الاسلام:۲/۱۸۸ بحوالہ مناقب ابی حنیفہ للمکیؒ:۹۶ [۲] سیرۃ النعمان، مولانا شبلی نعمانی، بحوالہ قلائد عقود الجمان

نہیں ملتی، ان حضرات نے تفقہ، امانت اور خلوص میں منفرد مقام حاصل کیا ہے، انہیں حضرات میں سے یہ چار ائمہ بھی ہیں۔ (جن کا تذکرہ اوپر ہوا)[1]

ائمہ اربعہ کے شاگردوں اور جانشینوں کا کارنامہ

پھر ان (ائمہ اربعہ) کو شاگرد ایسے ممتاز ملے، جنہوں نے اس ذخیرہ میں اضافہ کیا اور ان کی تنقیح و ترتیب کا کام جاری رکھا، امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں امام ابو یوسف جیسا قانونی دماغ نظر آتا ہے، جس نے ہارون رشید کی وسیع ترین سلطنت کے قاضی القضاۃ کے فرائض کامیابی کے ساتھ انجام دیئے اور اسلام کے اصولِ معاشیات پر ''کتاب الخراج'' جیسی عالمانہ تصنیف کی، اسی طرح ان کے شاگردوں میں امام محمد جیسا فقیہ اور مؤلف اور امام زفر جیسا صاحب قیاس نظر آتا ہے، جنہوں نے فقہ حنفی کو چار چاند لگائے۔

امام مالک کو عبداللہ بن وہب، عبدالرحمٰن ابن القاسم، اشہب بن عبدالعزیز، عبداللہ ابن عبدالحکم، یحییٰ بن یحییٰ اللیثی جیسے وفادار شاگرد اور لائق عالم ملے جن کی کوششوں سے مصر اور شمالی افریقہ فقہ مالکی کا حلقہ بگوش ہو گیا۔

امام شافعی کو بویطی، مزنی اور ربیع جیسے محنتی اور ذہین شاگرد ملے جنہوں نے فقہ شافعی کو مرتب و منقح شکل میں پیش کر دیا۔

امام احمد کی فقہ کو ابن قدامہ جیسا مصنف اور محقق حاصل ہوا جس نے ''المغنی'' جیسی عظیم الشان تصنیف کی جو فقہ اسلامی کے وسیع ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔[2]

---

[1] اجتہاد کی حاجت و ضرورت ص ۷، تدوین فقہ ص ۲۴ تاریخ دعوت وعزیمت ص ۸۲ ج ۱، خطبات علی میاں جلد ششم ص ۳۴۸ [2] تاریخ دعوت وعزیمت ص ۸۲ ج ۱

دوراول کے اہل حدیث کا ائمہ مجتہدین اور مروجہ فقہی مذاہب سے ربط واعتماد

ہم موجودہ صدیوں میں آنے والے اسلام کے بطل جلیل کا ذکر کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انصاف ،متوازن فکر، وسعت قلب ونظر نیز حدیث نبوی اور فقہ میں دقت نظر سے نوازا تھا،وہ حکیم الاسلام امام احمد بن عبدالرحیم دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) ہیں جو شیخ ولی اللہ دہلوی کے نام سے معروف اور شہرہ آفاق کتاب ''حجة الله البالغة '' کے مصنف ہیں،وہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے کے مسلمانوں کی فقہی حالت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

انہیں اس دور میں اپنی دینی زندگی میں جو مسائل اور مشکلات درپیش ہوتی تھیں تو اس کا وہ کیا حل تلاش کرتے تھے؟ وہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے باب'' چوتھی صدی ہجری سے پہلے اور بعد کے لوگوں کا حال''میں لکھتے ہیں:........

خواص کا یہ عالم تھا کہ وہ اہل حدیث تھے،اس لئے حدیث پر عمل کرتے تھے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے آثار تک اپنے کو محدود رکھتے۔

جب کسی حدیث میں تعارض ہوتا اور اس میں ترجیح کا پہلو معلوم نہ ہوتا نیز درپیش مسئلہ کا تسلی بخش حل میسر نہ آتا تو وہ لوگ ماضی کے بعض فقہاء کرام کی طرف رجوع کرتے ،اگر انہیں ہم پلہ دو اقوال ملتے تو وہ کسی ایک یا ان میں سے ثقہ قول کو اپنا لیتے وہ اہل مدینہ یا اہل کوفہ کے قول میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے،ان میں کچھ اصحاب ایسے بھی ہوتے تھے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں واضح احکام نہ پاتے تو وہ خود مسائل کا استنباط کیا کرتے تھے اور فقہی مذاہب میں اجتہاد کیا کرتے تھے،ایسے لوگ مروجہ فقہی مذاہب کے بانیوں کے طرف منسوب ہوتے تھے،جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شافعی ہے،فلاں حنفی ہے،

اہل حدیث بھی ان مذاہب میں سے جس مذہب سے زیادہ متفق ہوتے اسی کی طرف منسوب ہوتے تھے۔[1]

ائمہ اربعہ ہی میں انحصار کیوں ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ ان چار فقہی مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے بارے میں جن پر عالمِ اسلام میں عام طور پر عمل کیا جارہا ہے، اپنے رسالہ ''**عقدالجیدفی احکام الاجتهاد والتقلید**'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''یادرکھو کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان چاروں کو بالکل نظرانداز کردینے میں بڑا مفسدہ ہے، اس کے کئی وجوہات واسباب ہیں:

ایک یہ کہ امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ شریعت کے معلوم کرنے کے بارے میں وہ سلف متقدمین پر اعتماد کرے، تابعین نے اس بارے میں صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر، وعلی ہذاالقیاس ہر دور کے علماء نے اپنے پیشرؤوں پر اعتماد کیا، عقل سے بھی اس کا مستحسن ہونا ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ شریعت کے علم کا ذریعہ نقل واستنباط میں بھی یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب معلوم ہوں، تاکہ ان کے اقوال کے دائرہ سے خارج ہوکر خرق اجماع نہ ہوجائے، اس لئے ان اقوال کے جاننے اور سابقین سے مدد لینے کی ضرورت ہے، دوسرے علوم وفنون اور ہنروں اور پیشوں کا بھی یہی حال ہے، صرف ونحو، طب، شاعری، لوہاری، نجاری، رنگریزی سب اسی وقت حاصل ہوتے ہیں، جب ان کے استادوں اور ان کے ساتھ اشتغال رکھنے والوں کی صحبت اختیار کی جائے، اس کے بغیر مہارت حاصل ہوجائے، ایسا بہت کم پیش آتا ہے، اگرچہ عقلاً ایسا ممکن ہے، لیکن واقعتاً ہوتانہیں''۔[2]

---

[1] اجتہاد اور فقہی مذہب کا ارتقاء ملحقہ خطبات علی میاں جلد ششم ص۳۵۲،۳۵۳

[2] تاریخ دعوت وعزیمت ص۲۱۱ ج۵ اجتہاد کی حاجت وضرورت ص۱۷

ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے مسالک کیوں قابل اعتماد نہیں؟

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ آگے تحریر فرماتے ہیں:

''جب یہ بات متعین ہوگئی کہ سلف کے اقوال وتحقیقات پر اعتماد ضروری ہے ،تو پھر یہ ضروری ہوگیا کہ جن اقوال پر اعتماد کیا جارہا ہے، وہ سند صحیح سے مروی ،مشہور کتابوں میں مدوّن ہوں اور ان پر ایسا کام ہوا ہو کہ اس میں راجح اور مرجوح اور عام وخاص کا امتیاز آسان ہو، جہاں اطلاق پایا جاتا ہے، وہاں یہ پتہ چل سکے کہ اس میں قید کیا ہے؟ مختلف اقوال میں تطبیق دی جاچکی ہو، اور احکام کے علل پر روشنی ڈالی جاچکی ہو، نہیں تو ایسے مذاہب واجتہادات پر اعتماد صحیح نہیں ہوگا، ان پچھلے ادوار میں کوئی مذہب (فقہی) بھی ایسا نہیں ہے، جن میں یہ صفات پائی جاتی ہوں اور یہ شرطیں پوری ہوتی ہوں، سوائے ان مذاہب اربعہ کے۔''[1]

حضرت مولاناؒ اپنے دوسرے مقالہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

جب اسلاف کے اقوال پر اعتماد قائم ہوگیا، وہ صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہوں یا مشہور کتابوں میں جمع ہوں اور وہ کتب تفصیلی ہوں تاکہ مختلف ممکنہ اقوال میں سے قابل ترجیح قول کی وضاحت کی جاسکے، بعض مقامات پر ہم عام کی تخصیص کریں ،بعض دوسرے مقامات پر مطلق کو مقید بنائیں، اختلافات کو جمع کریں اور احکام کی علتیں بیان کریں، بصورت دیگر ان پر اعتماد درست نہیں ہوگا، ان آخری ادوار میں مذکورہ بالا چاروں مذاہب کے علاوہ کوئی اور ایسا مذہب موجود نہیں ہے۔[2]

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت ص۲۱۱ ج۵ اجتہاد کی حاجت وضرورت ص۱۸ [2] خطبات علی میاں ج۶ ص۳۵۶

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

اہل سنت والجماعت نے بس انہی چار دبستان فقہ پر اعتماد کیا، ان کے آراء کی پیروی کرتے ہیں اور عموماً ان ائمہ کے آراء کے دائرہ میں ہی اجتہادی کاوشیں انجام دیں۔

یہیں سے تقلید کا زمانہ شروع ہوتا ہے، اور یہ دراصل ایسے لوگوں کے لئے ضروری تھا جو قرآن وحدیث اور اجماعِ صحابہ وتابعین سے مکمل واقفیت نہیں رکھتے تھے، کیونکہ یہی واقفیت کسی کو جدید مسائل میں اجتہاد کا اہل بناتی ہے۔

ان ائمہ اربعہ نے شریعت کے بے شمار مسائل وحوادث پر غور کیا اور نہ صرف اپنے زمانہ کے پیش آمدہ مسائل کا حل بتایا بلکہ جو مسائل آئندہ پیش آسکتے تھے ان کے بارے میں بھی شرعی حکم بیان کر دیا، اور اس طرح بعد والوں کو جو مسائل پیش آسکتے تھے ان سے بڑی حد تک بے نیاز کر دیا اور ان کے لئے اجتہاد کے مواقع کم ہی چھوڑے۔[1]

حق دائر ہے ائمہ اربعہ کے درمیان

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) جن کو امت نے عام طور پر سندِ قبول عطا کی اور جن کے متعلق اہل حق واہل علم کے درمیان شروع سے یہ اصولی طور پر تسلیم کیا جاتا رہا ہے کہ حق ان میں دائر ہے، ان کے بانی اور مؤسس ائمۃ الہدیٰ اور امت کے پیشوا تھے اور یہ مذاہب حقانی ہیں۔[2]

[1] فقہ اسلامی اور عصر جدید ص ۴۶ [2] تاریخ دعوت وعزیمت ص ۱۹۷ ج ۵

ائمہ اربعہ کی تقلید سے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلویؒ کا ایک بشارت آمیز فرمان

حضرت مولانا سید سلمان صاحب الحسینی ندوی دامت برکاتہم اپنی کتاب ''تقلید واجتہاد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے افکار ونظریات کی روشنی میں'' میں حضرت شاہ صاحب کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ایسی باتیں معلوم ہوئیں جن کے بارے میں میرا خیال پہلے ان کے برخلاف تھا..........(ان میں سے) دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ ان مذاہب اربعہ کی تقلید کروں اور ان سے تجاوز نہ کروں، اور حتی المقدور ان کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کروں، میری طبیعت تقلید سے ابا کرتی ہے، اوراس سے بالکلیہ نفرت کرتی ہے لیکن اپنے طبعی رجحان کے برخلاف مجھے ان مسالک کی تقلید کا حکم دیا گیا ہے'' [1]

(**فائدہ**) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

واستفدت منه صلى الله عليه وسلم ثلثة أمور خلاف ما كان عندى وما كانت طبيعتى تميل إليه أشد ميل فصارت هٰذهٖ الاستفادات من براهين الحق تعالىٰ ...... ثانيها الوصات بالتقيد بهٰذه المذاهب الأربعة لاأخرج منها، والتوفيق مااستطعت، وجبلتى تأبى التقليد وتأنف منه راساً، ولكن شى طلب منى التعبد به بخلاف نفسى [2] (مرتب)

---

[1] تقلید واجتہاد مولفہ مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی ص ۱۴۱ [2] فیوض الحرمین مطبع احمد دہلی ص ۶۴

منکرینِ فقہ اور فقہاء کی شان میں گستاخی کرنے والوں پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے سخت تنقید کی ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

شاہ (ولی اللہ محدث دہلوی) صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غالی فقہاء اور فرقۂ ظاہریہ (جو مطلقاً فقہ کا منکر اور ان فقہاء کی شان میں لب کشائی کرتا ہے جو حاملین علم کے سرتاج اور اہل دین کے امام و پیشوا ہیں) کی روش پر سخت تنقید کی ہے اور دونوں کے غلو و انتہا پسندی کو ناپسند کیا ہے اور لکھا ہے کہ " ان الحق امر بین بین "معاملہ بین بین ہے، نہ پہلا فریق سو فیصدی حق پر ہے نہ دوسرا فریق۔[1]

فقہاء مجتہدین کے مدوّن کردہ فقہی سرمایہ کی قدر و منزلت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

فقہاء کا فقہی سرمایہ زندہ جاوید ہے اور عالمِ اسلام میں سے اکثریت اس پر عمل پیرا ہے، یہ چاروں فقہاء وسیع اور دقیق نکتہ فہمی میں ممتاز تھے، انہوں نے فقہی اور قانونی متاع کو تشکیل دینے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں اور اپنی خداداد صلاحیتیں صرف کیں۔

اس فقہی متاع کا دنیا میں کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا، یہ فقہ آج کے دور میں بھی قانون سازی کے لئے بنیادی مأخذ کی حیثیت رکھتی ہے، ان ائمہ نے اپنے کو اس گراں قدر خدمت کے لئے وقف کیا اور آج امت مسلمہ ان کی پیروی کررہی ہے، انہوں نے

[1] تاریخ دعوت وعزیمت ص۲۰۱ ج۵

زندگی میں ہر آرام، راحت اور منصب و مرتبہ قربان کر دیا اور ان میں سے ہر ایک نے علمی متاع اور فقہی میراث یادگار چھوڑی جو آج کے علمی اداروں اور بڑی بڑی تنظیموں کے پاس موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان فقہاء کو سعادت مند شاگرد عطا فرمائے تھے، جو نہ صرف ان کی علمی میراث کے وارث ہوئے بلکہ انہوں نے اس میں اضافے کئے، وہ اس کی چھان پھٹک کرنے اور اس کی نوک پلک سنوارنے میں مصروف رہے، یہاں تک کہ فقہاء میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی کہ وہ ان کے بعد کے زمانوں اور ان کے ملکوں سے باہر نکل کر دوسرے علاقوں میں رائج ہو سکے۔ ان ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام کا وجود اسلام کی ابتدائی صدیوں میں روشنی کا مینار تھا۔[1]

فقہی ذخیرے کی وسعت اور قدر و قیمت

اس فقہی ذخیرے کی وسعت اور اس کی قانونی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے لئے مشہور شامی فاضل و ماہر قانون مصطفیٰ احمد الزرقاء کی کتاب ''**المدخل الفقهي العام الیٰ الحقوق المدنية**'' کے مقدمہ سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے پیرس یونیورسٹی کے ہفتہ قانونِ اسلامی کے سیمینار میں مغربی ماہرین قانون کا فقہ اسلامی سے متعلق تأثر و نظریہ پیش کیا ہے وہ کہتے ہیں:

مماثل قوانین کی عالمی اکیڈمی کی مشرقی قانون کی شاخ نے پیرس یونیورسٹی کے لا کالج میں ۲ رجولائی ۱۹۵۱ء میں فقہ اسلامی کا ہفتہ منایا اور ایک کانفرنس منعقد کی، یہ کانفرنس موسیو Milliot پروفیسر فقہ اسلامی پیرس یونیورسٹی کی صدارت میں ہوئی، اس میں عرب غیر عرب ملکوں کے لا کالجوں کے اساتذہ، از ہر کے نمائندے، عرب اور

[1] اجتہاد اور فقہی مذاہب کا ارتقاء ملحقہ خطبات علی میاں جلد ششم ص ۳۴۸

فرانسیسی وکلاء نیز مستشرقین بڑی تعداد میں مدعو کئے گئے، مصر سے چار نمائندے، منتخب ہوکر گئے، دو جامعہ فواد سے، ایک جامعہ ابرہیم کے لاکالج کے پرنسپل اور ازہر کی **هيئة كبار العلماء** ☆ کا ایک نمائندہ، دمشق یونیورسٹی کے لاکالج کی طرف سے میں نے اور ڈاکٹر معروف الدوالیبی نے نمائندگی کی، نمائندوں نے، دیوانی، فوجداری اور مالی قوانین کے پانچ عنوانات پر بحث کی جو اکیڈمی کی طرف سے پہلے متعین کر دیئے گئے تھے وہ حسب ذیل تھے:

(۱) ملکیت کا اثبات (۲) عام مفاد کے لئے استملاک (عوام کی املاک پر قبضہ) (۳) جرم کی ذمہ داری (۴) اجتہادی مذاہبِ فکر کا ایک دوسرے پر اثر (۵) سود کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر۔

کانفرنس کے اختتام پر تمام نمائندوں نے بالا جماع ایک تجویز پاس کی جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

اس کانفرنس کے شرکاء ان مباحث کے پیش نظر جو فقہ اسلامی کے سلسلہ میں پیش ہوئے اور ان بحثوں کی بنا پر جس سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوگئی کہ:

(الف) اسلامی فقہ کی ایک خاص (قانونی ودستوری) قیمت ہے، جس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

(ب) اس عظیم قانونی سرمایہ میں فقہی مذاہب کا یہ اختلاف، معلومات، مدلولات اور قانونی اصولوں کا بڑا خزانہ ہے، جو اعتراف وتحسین کا پورا مستحق ہے، اور اس کے ذریعہ فقہ اسلامی اس قابل ہے کہ جدید زندگی کی ضروریات اور مطالبات کی تکمیل کر سکے۔

اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ ہفتہ ہر سال منایا جایا کرے، اور

☆ علماء ازہر کی وہ بڑی کونسل جو اہم دینی وعلمی مسائل میں فیصلہ کرتی ہے۔

کانفرنس کے سکریٹریٹ کو اس کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں کہ وہ ان موضوعات کی ایک فہرست تیار رکھے جن کو آئندہ جلسہ میں بحث و مذاکرہ کی بنیاد بنانے کی ضرورت ہے اور جن کی اہمیت کا گزشتہ مباحثات سے اظہار ہوتا ہے۔

کانفرنس کے نمائندے اس کی بھی امید رکھتے ہیں کہ فقہ اسلامی کی ایک ڈائرکٹری تیار کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنادی جائے گی جس کے ذریعہ قانون کی کتابوں سے استفادہ اور مراجعت آسان ہوجائے گی، اور وہ ایک ایسا فقہی انسائیکلو پیڈیا بن سکے گی، جس میں اسلامی قانون کی تمام معلومات جدید طرز پر مرتب کی گئی ہوں گی'' ۔[1]

فقہ اسلامی کی جدید تدوین اور جدید مسائل کا استنباط اسلامی فقہ کے اصول وکلیات کی روشنی میں ممکن ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں: فقہ اسلامی کی جدید تدوین وتوسیع کا کام کسی نئے قانون کی بنیاد رکھنے کے مرادف نہیں، جس کے لئے نئے اصول وضع کرنے اور ایک چیز کو عدم سے وجود میں لانے کی ضرورت ہو، اسلامی فقہ وقانون کا وہ عظیم سرمایہ اور انسانی ذہانت ومحنت کا وہ عجیب وغریب نمونہ ہے جس کی نظیر دنیا کے قانونی ذخیروں میں ملنی مشکل ہے، یہ زندگی کے بہت بڑے حصہ اور عصر قدیم کے اکثر حالات پر حاوی ہے، صرف اس کی ضرورت ہے کہ ان حکیمانہ اصول وکلیات سے (جو سراسر قرآن وحدیث پر مبنی ہیں) نئے جزئیات کا استنباط کیا جائے اور ان سے موجودہ زندگی کی ضروریات اور تبدیلیوں میں رہنمائی حاصل کی جائے ۔[2]

---

[1] المدخل الفقہی العام ج اص: د،ہ، تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۲ء تدوین فقہ ص ۱۹، ۲۰

[2] تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص ۱۸

فقہائے مجتہدین کے فقہی سرمایہ سے استغنا و بے نیازی مضر اور محرومی کا سبب ہے

مذاہب اربعہ کی خصوصیات اور فقہائے محدثین کی خدمات اور ان کی عظمت کا پورا اعتراف کرتے ہوئے اور اس فقہی وحدیثی ذخیرہ کو بیش قیمت اور قابل استفادہ قرار دیتے ہوئے اور اس سے بے نیازی واستغناء کو مضر ومحرومی کا سبب مانتے ہوئے شاہ صاحب اس کے قائل ہیں کہ اجتہاد (اپنی شرطوں اور ضروری احتیاطوں کے ساتھ) ہر دور کی ضرورت، حیات انسانی اور تمدن ومعاشرت کی تغیر پذیری، اور نمو وارتقا کی صلاحیت اور انسانی ضروریات، حوادث وتغیرات کے تسلسل کا فطری تقاضا اور شریعت اسلامی کی وسعت، اس کے من جانب اللہ ہونے اور قیامت تک انسانوں کی رہنمائی اور معاشرہ کے جائز تقاضوں کی تکمیل کی صلاحیت رکھنے کا ثبوت ہے، جس کا اظہار اور ثبوت ہر دور میں ضروری اور حاملین شریعت کا فرض ہے[1]

[1] تاریخ دعوت وعزیمت ص۲۱۳ ج ۵، تدوین فقہ ص ۵۸

باب ۲

امام ابوحنیفہؒ کی اہمیت اور فقہ حنفی کی خصوصیت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی نظر میں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

شاہ صاحب کا سارا علمی نشو ونما فقہ حنفی و اصول فقہ حنفی کے ماحول میں ہوا تھا، اور وہ مذہب حنفی کے خصوصیات سے اتنا ہی واقف اور ان کے اتنا ہی قائل تھے، جتنا کہ کوئی بڑے سے بڑا حنفی عالم ہوسکتا ہے، وہ اس حقیقت سے واقف تھے، اور جا بجا اس کا اظہار کرتے ہیں کہ مختلف تاریخی، علمی، سیاسی و تمدنی اسباب کی بناء پر جتنی فقہ حنفی (نیز فقہ شافعی) کی خدمت ہوئی ہے، اور ان کی نوک پلک درست کی گئی ہے، ان کے متون کی شرح اور اصول کی تفریع کی گئی ہے، اتنا کسی دوسرے مذہب کے سلسلہ میں پیش نہیں آیا، وہ امام ابوحنیفہؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

كان عظيم الشان فى التخريج على مذهب ابراهيم و اقرانه دقيق النظر فى وجوه التخريجات مقبلا على الفروع اتم اقبال۔[1]

(ترجمہ) امام ابوحنیفہؒ کا مرتبہ ابراہیم نخعی اور ان کے ہم مرتبہ علماء کے مذہب پر اجتہاد و استنباط کے سلسلہ میں بہت بلند تھا، ان تخریجات کے وجوہ و اشکال میں وہ بڑی دقت نظر رکھتے تھے، مسائل جزئیہ اور فروع کے استخراج میں ان کا انہماک بہت بڑھا ہوا تھا۔[2]

[1] الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ص۲۳۹ [2] تاریخ دعوت وعزیمت ص۲۰۲ ج۵ تدوین فقہ ص۴۷، ۴۸

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فقہ واجتہاد میں بلند مقام

ایسے فقیہ ومجتہد کہ ملتوں میں ان کی نظیر نہیں پائی جاتی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

اور آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نہ صرف فقیہ اور مجتہد تھے بلکہ ایسے فقیہ اور مجتہد تھے کہ میں شریعت اور فقہ اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ملتوں میں ان دونوں کی مثالیں نہیں ملتیں۔[1]

مذہب حنفی ایک بہترین طریقہ ہے جو احادیث کے موافق ہے

حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی دامت برکاتہم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے جو تمام طرق میں سب سے زیادہ ان احادیث کے موافق ہے جن کی تدوین وتنقیح امام بخاریؒ اور ان کے اصحاب کے عہد میں ہوئی اور وہ طریقہ یہ ہے کہ علمائے ثلاثہ (یعنی امام ابوحنیفہ اور صاحبین) کے اقوال میں سے جس کا قول حدیث سے زیادہ اقرب ہو، اسے اختیار کیا جائے، اس کے بعد ان حنفی فقہاء کے اختیارات پر عمل کیا جائے جو محدث بھی تھے، کیونکہ بہت سے مسائل ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں علمائے ثلاثہ نے مسلک کی بنیادی کتابوں میں سکوت اختیار کیا ہے، ان کی نفی بھی نہیں کی ہے، اور احادیث ان (کے جواز) پر دلالت کرتی ہیں، لہٰذا ان کو ماننے بغیر چارہ نہیں، اور یہ سب مسلک حنفی کے دائرہ میں ہی ہے۔''

[1] ماہنامہ پیام عرفات رائے بریلی اکتوبر ۲۰۱۴ء ص ۴

فقہ حنفی کی دوسرے مذاہب پر فوقیت وترجیح

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

فقہی اختلافات اور مختلف اجتہادات وخیالات کا یہ تقاضہ ہوا کہ مختلف فقہی مذاہب اور اجتہادی آراء کا کتاب وسنت کی روشنی میں تقابل کیا جائے ،اور ایک مسلک کو دوسرے مسلک پر اور ایک اجتہاد کو دوسرے اجتہاد پر فوقیت دی جائے۔[1]

مولانا سید سلمان ندوی حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں:

’’اس لئے میں کہتا ہوں کہ مجھے ایسا نظر آتا رہا کہ مسلک حنفی میں کوئی اہم راز ہے، میں مسلسل اس مخفی راز کو سمجھنے کے لئے غور وفکر کرتا رہا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ اس دقیق معنی اور مخفی حقیقت کے اعتبار سے اس (حنفی) مسلک کو ان دنوں تمام مسالک پر غلبہ اور فوقیت حاصل ہے‘‘۔[2]

(فائدہ) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

عرّفنی رسول الله صلی الله علیه وسلم أن فی المذهب الحنفی طریقة أنیقة أوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری وأصحابه وذالک أن یوخذ من أقوال الثلثة قول أقربهم بها فی المسئلة، ثم بعد ذلک یتبع إختیارات الفقهاء الحنفیین الذین کانوا من علماء الحدیث فربّ شیء سکت عنه الثلٰثة فی الأصول وماتعرّضوا لنفیه، ودلت الأحادیث علیه فلیس بدّ من إثباته والکل مذهب حنفی۔

فنقول ترائی لی أن فی المذهب الحنفی سرّا غامضا ثم لم أزل أتحدق فی هٰذاالسرّ الغامض حتی وجدت مابینا ،وشاهدت أن لهٰذا المذهب یومنا هذا رجحانا علی سائر المذاهب بحسب هذا المعنی الدقیق وإن کان بعضها أرجح منه بحسب المعنی الأول،.....فیرجح هٰذالمذهب علی سائر المذاهب ۔[3]

[1] مطالعہ حدیث کے اصول ومبادی ص ۶۱　[2] تقلید واجتہاد ص ۱۴۰، ۱۴۱　[3] فیوض الحرمین ص ۴۸، ۱۰۵

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کا مسلک

حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ایک فقیہ النفس حنفی محدث ہیں اوران فقہاء محدثین کے زمرے میں ہیں جوقوی وضعیف ،صحیح وغلط اورراجح ومرجوح میں پوری بصیرت کے ساتھ فیصلہ کرسکتے ہیں ،یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اس درجہ کا کوئی حنفی محدث اورفقیہ النفس پیدانہیں ہوا۔

حتی الوسع آپ حنفی مسلک ہی میں اس قول کواختیار کرتے جوحدیث اور دوسرے مسالک سے متفق ہو،لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقہاء حنفیہ میں شیخ ابن الھمام صاحب فتح القدیراورآپ کے دومحقق شاگردوحافظ حدیث قاسم بن قطلو بغااورمحقق ابن امیرالحاج جو تفقہ نفس کے ساتھ تبحرحدیث ،اطلاع رجال ،فن جرح وتعدیل اوراصول فقہ وغیرہ میں پوری دستگاہ رکھتے ہیں اور بہت سے فروعی مسائل میں اپنی اپنی خاص رائے رکھتے ہیں ،اسی طبقہ میں حضرت شاہ صاحب کا بھی شمار ہونا چاہئے ،بعضے مسائل میں ان حضرات کا حنفیہ سے خلاف کرنا جیسے مذہب حنفی کے خلاف نہیں سمجھا جاتا اوراس کے باوجودان کو فقہائے حنفیہ ہی میں شمار کیا جاتا ہے،اسی طرح بعضے مسائل اوراحکام میں مذہب حنفی کے خلاف شاہ صاحب کا رجحان نفس حنفی مذہب کے خلاف نہیں کہا جاسکتا ہے۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مسلک کا خلاصہ

حضرت مولانا سید سلمان صاحب الحسینی ندوی دامت برکاتہم تحریرفرماتے ہیں:

(حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارتوں کے)ان ہی اقتباسات سے ہم

---

[1] تقلید واجتہاد ص ۱۴۸ مولفہ حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی دامت برکاتہم

حضرت شاہ صاحب کے مسلک کے بارے میں خصوصی طور پر مندرجہ ذیل نتائج تک بھی پہنچتے ہیں:

(۱) ائمہ اربعہ کے اختلافات کے بارے میں آپ پر پوری حقیقت منکشف ہوگئی ہے اور آپ اس کا صحیح منشا بھی سمجھ گئے ہیں۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وصیت فرمائی کہ مذاہب اربعہ کے دائرہ سے باہر نہ نکلیں اور جہاں تک ممکن ہو ان میں تطبیق دیں۔

(۳) آپ کو اپنے طبعی رجحان یا میلان کے خلاف مجموعی طور پر ان مسالک کی تقلید پر مامور کیا گیا۔

(۴) آپ کو حکم دیا گیا کہ فروعی مسائل میں بھی "حنفیہ" کے خلاف نہ کریں جب تک صراحۃً کسی حدیث کی مخالفت نہ ہو۔[۱]

اس ملک کے لئے سب سے بہتر منہج

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

اس ملک کے لئے سب سے زیادہ بہتر منہج اور اصول حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا ہے جس کے آثار و تابندہ نقوش ابھی بھی باقی ہیں ان کے فرزندوں نے جن میں سے ہر ایک نابغۂ روزگار اور مجتہدانہ فقہی علمی بصیرت کا حامل تھا ان کا مشن جاری رکھا۔[۲]

حنفی مسلک کی عمومیت ومقبولیت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

یہ تحتی براعظم (ہندوستان) شروع سے ان فاتحین اور بانیانِ سلطنت کے زیر نگیں

[۱] تقلید واجتہاد ص ۱۴۷ [۲] وقت تقاضا کیا ہے خطبات علی میاں ص ۲۳۶ ج ۴

رہا جو یا ترکی النسل تھے، یا افغانی النسل اور یہ دونوں قومیں تقریباً اپنے اسلام قبول کرنے کے زمانہ سے مذہب حنفی کی حلقہ بگوش بلکہ اس کی حمایت اور نشر واشاعت میں سرگرم اور پرجوش رہیں، یہاں اسلام کی تقریباً ۸۰۰ سال کی تاریخ میں مذہب مالکی اور مذہب حنبلی کو تو قدم بھی رکھنے کا موقع نہیں ملا، شافعی مذہب سواحل تک محدود رہا، یا جنوبی ہند مدراس اور شمالی کنارے (موجودہ کرناٹک کے) بعض حصوں بھٹکل وغیرہ اور کیرالہ میں محدود رہا، ان میں بھی مالابار کو مستثنیٰ کر کے جہاں زیادہ تر شافعی مسلک کے داعیان اسلام ،تجار، مشائخ اور فقیہ وعالم آئے، شیخ مخدوم فقیہ علی مہایمی اور مالابار کے شیخ مخدوم اسماعیل فقیہ السکر ی الصدیقی نیز مخدوم شیخ زین الدین ملیباری صاحب فتح المعین کے علاوہ ہمارے محدود علم میں اس پایہ کے شافعی فقیہ ومحدث نہیں پیدا ہوئے ،جو ہندوستان (بالخصوص شمالی ہند کے) علمی حلقوں پر گہرا اثر ڈالتے ،اور علماء حنفیہ کو فقہ شافعی پر عمیق نظر ڈالنے اور اس سے استفادہ پر آمادہ کرتے۔

ہندوستان سے جو علماء اور طالبان علم حدیث وفقہ حجاز جاتے (جو ترکی سلطنت کے زیر انتظام تھا، اور ترک ہر دور میں ۱۰۰ فیصدی سنی اور حنفی رہے ہیں) وہ بھی زیادہ تر اپنے ہی مذہب کے علماء اور خصوصیت کے ساتھ اپنے ہم وطن اساتذۂ فقہ وحدیث سے رابطہ رکھتے ،جو وہاں ہندوستان یا افغانستان سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے، اور ان کے شاگردوں کا بڑا حلقہ تھا۔ (مثلاً علامہ شیخ متقی برہانپوری، صاحب کنز العمال، علامہ قطب الدین نہروالی ،ملا علی قاری ہروی مکی، شیخ عبدالوہاب متقی اور شیخ محمد حیاۃ سندی وغیرہ)[1]

فقہ حنفی کی چند خصوصیات

علامہ شبلی نعمانیؒ نے ''سیرۃ النعمان'' میں فقہ حنفی کی خصوصیت پر مفصل کلام کیا ہے، جس کا

[1] تاریخ دعوت وعزیمت ص ۱۹۸ ج ۵، تدوین فقہ ص ۴۳، ۴۴

خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) فقہ حنفی کے مسائل اسرار و مصالح پر مبنی ہوتے ہیں۔

(۲) فقہ حنفی پر عمل بہ نسبت تمام فقہوں کے نہایت آسان ہے۔

(۳) فقہ حنفی میں معاملات کے متعلق جو قاعدے ہیں نہایت وسیع اور متمدن ہیں۔

(۴) فقہ حنفی نے ذمیوں کے حقوق (یعنی وہ لوگ جو مسلمان نہیں ہیں، لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں) نہایت فیاضی اور آزادی سے دیئے ہیں، یہ وہ خصوصیت ہے جس کی نظیر کسی امام اور مجتہد کے یہاں نہیں ملتی۔

(۵) فقہ حنفی نصوص شرعیہ کے موافق ہے، یعنی جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جن میں ائمہ کا اختلاف ہے ان میں امام ابوحنیفہؒ جو پہلو اختیار کرتے ہیں وہ عموماً قوی اور مدلل ہوتا ہے۔[۱]

ہندوستان میں فقہ حنفی کی سیادت اور اس کا رواج

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

اس ملک کا دین بھی ایک تھا، آئین بھی، دینی زبان (عربی) دفتری زبان (فارسی) بھی ایک تھی، تہذیب بھی ایک تھی، اور قانون (فقہ حنفی) بھی ایک تھا، اور حکومت بھی (جس کے صرف افراد اور بعض اوقات خاندان جو سب سنی العقیدہ حنفی المذہب مسلمان ہوتے تھے بدلتے تھے) ایک تھی۔[۲]

حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان کا عام مذہب حنفی تھا اور فتوحات اسلامیہ سے لے کر سلطان محمد شاہ کے آخری وقت تک یہی قانونی مذہب رہا، سلطان عالمگیر اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی عالمگیر یہ تدوین کرایا، ان مدونین میں جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہوگا حضرت شاہ

[۱] سیرۃ النعمان ص:۱۹۴ ملخص [۲] کاروان زندگی ص ۲۲۴ ج ۱

صاحب کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم بھی شامل تھے اور آخری اسلامی دور کا یہی ہندوستان میں قانون رہا، ہندوستان کے حنفی محدثین میں شیخ محمد عابد سندھی صاحب ''المواہب اللطیفۃ علی مسند ابی حنفیہ'' و ''طوالع الانوار شرح الدر المختار'' وغیرہ و شیخ محمد ہاشم سندھی شیخ عبدالغفور سندھی، شیخ محمد قاسم سندھی، شیخ ابوالحسن سندھی اور حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں آپ کے جانشین شاہ عبدالعزیز اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور السید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی جو تبحر حدیث وغیرہ میں کچھ کم نہیں، سب حنفی المذہب ہی ہیں حضرت شاہ صاحب کے بعد شاہ عبدالعزیز حنفی محدث آپ کے جانشین رہے اور شاہ عبدالعزیز کی جانشینی شاہ محمد اسحاق آپ کے نواسے نے کی اور شاہ اسحاق کے مسند نشین شیخ عبدالغنی مجددی ہوئے یہ سب بھی حنفی المسلک محدث تھے۔[1]

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

جہاں تک برصغیر ہندوستان کا تعلق ہے، جہاں فقہ حنفی کی سیادت ورواج تھا، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی، مولانا عبدالحئیؒ فرنگی محلی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان اور بعض چیدہ و برگزیدہ شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے مسائل حاضرہ اور وقت کی ضرورتوں پر فقہ وشریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائی اور ان کے فتاویٰ کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔[2]

فقہ حنفی کی خدمت میں علماء گجرات کا تفوق وامتیاز

علوم وفنون میں اگر گجرات شیراز تھا تو حدیث کی خدمات کے لحاظ سے یمن میمون سے مماثلت رکھتا تھا، علم حدیث کی سرگرمی کے ساتھ ساتھ یہاں فقہ میں بھی شاندار کارنامے انجام پائے تھے، ہندوستان کے کسی دوسرے علاقہ کی علمی اور تمدنی

[1] تقلید واجتہاد ص ۱۴۸ مولفہ حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی دامت برکاتہم [2] تدوین فقہ ص ۶۲

سرگرمیوں کی تاریخ اتنی مسلسل اور طویل نہیں ہے جتنی گجرات کی۔

فتاویٰ حمادیہ کی تصنیف

اس اجلاس وموضوع کی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ گجرات کا فقہ حنفی اوراصول فقہ میں بھی امتیازی حصہ ہے، یہاں مفتی رکن الدین ناگوری نے جونہر والہ کے مفتی تھے، فقہ حنفی کی دوسو چار کتابوں کو پیش نظر رکھ کر "فتاویٰ حمادیہ" تصنیف کی جس کے حوالے فتاویٰ عالمگیری میں جابجا ملتے ہیں۔

اسی طرح مفتی قطب الدین (م ۹۹۹ء) کا ذکر کیئے بغیر بھی رہا نہیں جاتا جن کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا، علامہ قاضی شوکانی صاحبِ "نیل الاوطار" نے اپنی کتاب "البدر الطالع" میں بڑے بلند الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حرمین شریفین اور دیار عرب میں جن کے فضل و کمال کا سب سے زیادہ اعتراف کیا گیا اور جن سے استفادہ کو باعث فخر وشرف سمجھا گیا وہ زیادہ تر علمائے گجرات تھے وکفیٰ به فخراً وشرفا۔

علوم دینیہ بالخصوص فقہ وقضاء کی صلاحیت میں علمائے گجرات کے امتیاز واختصاص کا نتیجہ تھا کہ سلطنت دہلی نے بھی ان کے اس امتیاز واختصاص سے فائدہ اٹھایا، اوران کو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز کیا، قاضی شیخ الاسلام گجراتی دارالملک دہلی کے قاضی تھے، ۱۰۸٦ھ میں عالمگیر نے ان کو مجبور کرکے قاضی القضاۃ کا عہدہ عنایت کیا، اس عہدہ جلیلہ کے فرائض انہوں نے نہایت آزادی اور راست بازی کے ساتھ انجام دیئے اور حق کے ظاہر کرنے میں کسی بادشاہ کے سامنے بھی نہیں چوکے، ان کے بعد ہی ان کے داماد قاضی ابوسعید ۱۰۹۴ھ میں ان کی جگہ قاضی القضاۃ کے عہدہ کے لئے گجرات ہی کے علماء کا منتخب ہونا اس کے علمی وفنی امتیاز کا کھلا ثبوت ہے۔[1]

[1] فقہ وقضا کی صلاحیت میں علماء گجرات کا امتیاز واختصاص، خطبات علی میاں جلد ششم ص ۳۸۵

فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب عالمگیرؒ اور علماء ہندؒ کا بڑا کارنامہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

عالمگیرؒ ایک دیندار، متقی و پرہیز گار اور مقلد عالم دین تھے، حنفی مسلک کے سختی سے پابند تھے، کسی قول و فعل میں اس سے تجاوز نہ کرتے اور عزیمت پر عمل کرتے۔

حدیث میں گہری بصیرت رکھتے تھے، تخت نشینی کے بعد آپ نے چالیس احادیث پر مشتمل ایک کتاب تیار کی جس کا نام ''کتاب الاربعین'' رکھا، پھر فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا اور عمدہ فوائد پر مشتمل حاشیہ تحریر فرمایا، فقہ میں بھی مکمل مہارت رکھتے تھے، جزوی مسائل کے استحضار میں آپ کی مثال دی جاتی تھی۔

عالمگیرؒ فطری طور پر عدل واحسان اور شریعت مطہرہ کے مطابق فیصل کرنے کے خوگر اور عادی تھے، علماء کی بڑی جماعت کو حکم دیا کہ وہ فقہی ابواب کے تحت ہر ہر باب سے متعلق مسائل اور قضایا کو مرتب اور مدون کریں، چنانچہ ان کبارِ علماء نے اس کام کو انجام دیا، اور چھ ضخیم جلدوں میں فتاویٰ عالمگیری اجتماعی طور پر مرتب کی جو حجاز کے مختلف ممالک مصر، شام، روم وغیرہ میں مشہور ہوگئی، اور اس کا نفع پورے طور پر عام ہوگیا، یہاں تک کہ تمام مفتیوں کے لئے یہ کتاب مرجع و مآخذ کی حیثیت رکھنے لگی، عالمگیرؒ نے اس کتاب کی جمع و ترتیب میں تقریباً دولاکھ روپئے خرچ کئے اور قاضیوں (ججوں) کو حکم دیا کہ اسی کے مطابق فیصلے کیا کریں۔[1]

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

اورنگ زیب نے زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اپنی پوری توجہ عہد اکبری کے مخالفِ اسلام اثرات کو مٹانے، شیعیت کے اثر کو کم کرنے.....کے اقدامات کئے،

[1] القراۃ الراشدہ الجزء الثالث ترجمہ از عربی، ص ۱۰۰

محتسب کا شرعی عہدہ قائم کیا تا کہ وہ خلقِ خدا کو منہیات ومحرّمات سے منع کرے، شرعی قاضی مقرر کئے اور ان کو اعلیٰ اختیارات دیئے۔

پوری سلطنت میں شرعی قانون وآئین جاری کرنے اور قاضیوں کی آسانی کے لئے مسائل فقہیہ کی تدوین وترتیب کا بیڑا اٹھایا جس کے نتیجہ میں ''فتاویٰ عالمگیری'' کے نام سے ایک ایسا مجموعہ تیار ہوا جو مصر، شام وترکی میں بھی (جہاں وہ الفتاوی الھندیة کے نام سے مشہور ہے) قانونِ اسلامی کا ایک بڑا اور مستند ماخذ سمجھا گیا۔[1]

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں فقہ حنفی کی قابل قدر علمی خدمت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

میری پرانی خواہش تھی کہ ان بچوں کے لئے جو کمسنی میں فقہ کی کتابیں پڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور جو فارسی ومنطق وغیرہ کا قدیم مرحلہ طے کئے بغیر ''سن مراہقہ'' (قبل بلوغ) میں ''نورالایضاح'' اور ''قدوری'' پڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں، کوئی کتاب ایسی لکھی جائے جس میں عبارت کی سہولت، پیراگرفوں کی تقسیم، مثالوں اور تشریحی باتوں میں سن وسال کا لحاظ اور مسائل میں صرف عملی اور محتاج الیہ مسائل کا انتخاب ہو، ....اور وہ جو عربی میں پہلی فقہ کی کتاب کے طور پر پڑھائی جا سکے، میں نے خود یہ کام شروع کیا تھا، لیکن مکمل نہ ہوسکا، الحمدللہ گزشتہ سال عزیز گرامی مولوی شفیق الرحمٰن ندوی نے ''الفقہ المیسر'' ☆ کے نام سے کتاب تیار کردی جس کو اہل نظر اہل فن نے بھی پسند کیا، اور وہ دارالعلوم میں داخل نصاب ہے۔[2]

[1] تاریخ دعوت وعزیمت ص۴۴ ج ۵ [2] کاروان زندگی ص۲۲۵ ج ۱

☆ اس کتاب کے تمام مسائل، جزئیات وفروعات سب حنفی مسلک کے مطابق ہیں، اور حنفی مسلک کی کتابوں (خصوصاً نورالایضاح) کو سامنے رکھ کر ہی یہ کتاب مرتب کی گئی ہے، جیسا کہ مصنفِ کتاب نے ''کلمۃ المولف'' میں اس کا اظہار کیا ہے۔ (مرتب)

فصل

فتاوی عالمگیری

اہمیت اور امتیازات وخصوصیات

حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی دامت برکاتہم
(مدیر البعث الاسلامی، مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

یہ پورا مضمون حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کا لکھا ہوا ہے، جوفتاویٰ عالمگیری کی اہمیت اور امتیازات وخصوصیات پر مشتمل ہے، موقع کی مناسبت سے حضرت اقدس مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے مشورہ اور شکریہ کے ساتھ یہ مضمون یہاں درج کیا جارہا ہے، انشاءاللہ مفید ثابت ہوگا۔ اصل مضمون عربی میں تھا جوالبعث الاسلامی جلدنمبر۲۹ شمارہ نمبر۱ میں شائع ہوا تھااس کا ترجمہ یہاں شائع کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

سبب تالیف

اورنگ زیب عالمگیر کے عظیم کارناموں میں فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب بھی ہے، ان کی عمر جب ۵۰/سال کی ہوئی، اور دس سال نظام حکومت پر بھی گزر گئے تو ان کے ذہن میں اس عظیم کتاب کی تالیف کا خیال آیا، چنانچہ اس کام کا آغاز ۱۰۷۸ھ

میں ہوا، اورنگ زیبؒ نے علمائے وقت کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ فقہ اسلامی کا ایک ایسا مجموعہ تیار کرنے کی ضرورت ہے، جو مرجع کی حیثیت رکھے اوراس کوحکومت کا قانون بھی بنایا جا سکے، چنانچہ ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، اورنگ زیب براہ راست اس کی نگرانی کررہے تھے، روزانہ سونے سے پہلے کام کا جائزہ لیتے، اگر کوئی رائے ہوتی توعلماء سے بحث کرتے اورقرآن وحدیث اوراجماع سے دلیل طلب کرتے۔

بادشاہ وقت کی اس غیر معمولی دلچسپی سے کمیٹی کے افراد میں نئی روح دوڑ گئی، انہوں نے اپنی ساری توجہ اسی پر مبذول کی، اس کام میں دن رات ایک کر دیا، یہاں تک کہ یہ مجموعہ دوسال میں ۶ ر ضخیم جلدوں میں مرتب ہوکر ۱۰۸۰ء میں منظرعام پرآیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اپنی کتاب ''الدعوۃ الاسلامیۃ فی الھند وتطوراتھا'' میں اس نیک صفت بادشاہ کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مؤرخین نے اورنگ زیب عالمگیرؒ کی شریعت پر استقامت اوران کی عبادت وتقویٰ کے ایسے واقعات ذکرکئے ہیں جو حیرت انگیز ہیں، نظام حکومت سنبھالنے کے بعد انہوں نے قرآن کریم حفظ کیا، چالیس حدیثیں جمع کیں اوران کی شرح بھی لکھی، فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کا بھی حکم دیا، تا کہ اس کوحکومت کے قانون کی حیثیت حاصل ہو، اورایک کمیٹی تشکیل دی، براہ راست اس کی نگرانی کی، وہ روزانہ سونے سے پہلے کمیٹی کے تیارکردہ موادکو پڑھتے تھے، اس کوفتاویٰ عالمگیری کے نام سے جانا جاتا ہے''۔

(الدعوۃ الاسلامیۃ فی الھند وتطوراتھا ص۲۰)

فتاویٰ عالمگیری کی خصوصیات

مندرجہ ذیل سطور میں ہم اس کتاب کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہیں:

۱۔اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اس اہم کتاب کی ترتیب میں دولاکھ روپئے صرف کئے،اس مبلغ کی اس زمانہ میں بڑی اہمیت تھی۔

۲۔پورے ملک میں بادشاہ نے یہ سرکاری فرمان جاری کردیا کہ تمام ذیلی اورمرکزی عدالتیں اس کتاب کی روشنی میں فیصلہ کریں۔

۳۔ملک کے چنندہ علماءاورفقہاء کی ایک کمیٹی تشکیل دی،اس کا سربراہ مولانا نظام الدین برھانپوری کو بنایا،یہ بادشاہ کے خواص میں تھے،انہوں نے علماء کی ایک جماعت کے تعاون سے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا،بتوفیق الٰہی دوسال کی مدت میں یہ کام مکمل ہوا۔

مرتبین فتاویٰ عالمگیری

یہاں ہم ان علماء وفقہاء کے نام بالترتیب ذکر کررہے ہیں جنھوں نے اس کی ترتیب میں حصہ لیا،درج ذیل چارعلماء اس کمیٹی کے سب سے اہم اور بنیادی ارکان تھے:

۱۔قاضی محمد حسین جونپوری محتسب

۲۔مولانا علی اکبر حسینی اسعد اللہ خانی الٰہ آبادی

۳۔مولانا حامد بن ابی الحامد جونپوری

۴۔مفتی محمد اکرم حنفی لاہوری

ان کے علاوہ درج ذیل علماء نے اس عظیم علمی کارنامہ کی تکمیل میں حصہ لیا:

۵۔مولانا نظام الدین برھانپوری

۶۔مولانا نظام الدین تتوی سندی

۷۔مولانا ابوالخیر تتوی

۸۔مولانا رضی اللہ بھاگلپوری
۹۔مولانا محمد جمیل جونپوری
۱۰۔مفتی وجیہ الدین گوپامئوی
۱۱۔مولانا سید محمد بن محمد قنوجی
۱۲۔مولانا جلال الدین مچھلی شہری
۱۳۔قاضی عبدالصمد جونپوری
۱۴۔مولانا ابوالواعظ ھرکامی
۱۵۔مفتی ابوالبرکات دہلوی
۱۶۔مولانا احمد بن ابوالمنصور گوپامئوی
۱۷۔مولانا عبدالفتاح صمدانی
۱۸۔مولانا قاضی عصمۃ اللہ لکھنوی
۱۹۔قاضی محمد دولت فتحپوری
۲۰۔مولانا محمد سعید سہالوی
۲۱۔مولانا محمد شفیق سرہندی
۲۲۔مولانا محمد غوث کاکوروی
۲۳۔مولانا عبدالرحیم دہلوی
۲۴۔مولانا فصیح الدین پھلواروی
۲۵۔قاضی سید عنایت اللہ مونگیری
۲۶۔مولانا وجیہ الرب ملا
۲۷۔مولانا غلام محمد ملا
۲۸۔علامہ ابوالفرح

فتاویٰ عالمگیری کے مآخذ و مراجع

یہ کتاب فقہ اسلامی کے اہم ترین مصادر میں ہے، کیونکہ اس میں ایک مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا حل موجود ہے، یہ ایسی گراں قدر خدمت ہے جس کی نظیر کمیاب ہے، علماء نے اس کتاب میں ایسے فقہی مسائل ذکر کئے ہیں، جن سے کوئی بھی شخص، خواہ وہ عالم ہو یا جاہل، حاکم ہو یا محکوم، مرد ہو یا عورت بے نیاز نہیں ہوسکتا، تمام مسائل آسان زبان میں انوکھے اسلوب میں لکھے گئے ہیں، کتب فقہ کے اہم مصادر و مراجع کی روشنی میں ان کو مرتب کیا گیا ہے۔

اس عظیم فقہی مجموعہ کے مصادر و مراجع کی فہرست کافی طویل ہے، علما نے اس کے مراجع ۱۲۴ تک شمار کئے ہیں، ان میں سے ہر ایک کتاب کا علمی معیار کافی بلند ہے، چند مراجع حسب ذیل ہیں:

مراجع فتاویٰ عالمگیری

۱. الوافی
۲. الکافی
۳. الملتقط
۴. الزادة
۵. خزانة الفقه مؤلفه امام ابو اللیث
۶. الهدایة مؤلفه فقیه برهان الدین مرغینانی
۷. شرح الطحاوی مؤلفه امام بدرالدین العینی
۸. البدائع
۹. المغنی

۱۰. العناية

۱۱. الذخيرة

۱۲. الخلاصة

۱۳. الفرائض الزاهدية مؤلفه ابو الرجاء مختار بن محمود (م۶۵۸)

۱۴. الظهيرية لظهير الدين بخارى (م۶۱۹)

۱۵. المحيط مؤلفه شيخ برهان الدين

۱۶. المحيط مؤلفه شيخ رضى الدين السرخسى

۱۷. فتاوىٰ قاضى خان

۱۸. شرح الوقاية

۱۹. التبيين مؤلفه امام نسفى

۲۰. السراج الوهاج

۲۱. فتح القدير

۲۲. البحر الرائق

۲۳. الجامع الصغير

۲۴. الجامع الوجيز

۲۵. الفتاوىٰ السراجية

۲۶. الاختيار والمختار

۲۷. الكفاية شرح الهداية

۲۸. الجوهرة النيرة

۲۹. القنية

۳۰.النهر الفائق

۳۱.المبسوط مؤلفه امام سرخی

۳۲.فتاویٰ شیخ الاسلام المعروفة بخواهرزاده

۳۳.شرح المبسوط

۳۴.العتابية المعروفة بجامع الفتاویٰ

۳۵.خزانة المفتيين

۳۶.شرح العينى على الكنز

۳۷.المفيد والمزيد

۳۸.خزانة الفتاویٰ

۳۹.الاسرارفى الاصول والفروع

۴۰.الدبوسى(م. ۴۳۰)

۴۱.شرح الزيادات النقاية

۴۲.شرح المجمع مؤلفه ابن الملک

۴۳.التجنيس مؤلفه صاحب الهداية

۴۴.الفتاویٰ الولوالجية

۴۵.فتاویٰ الامام الکرخی

۴۶.الفتاویٰ الکبریٰ

۴۷.الفتاویٰ الصغریٰ مؤلفه امام حسام الدين عمربن عبدالعزيز(م۵۳۶)

۴۸.الفتاویٰ التمرتاشی

۴۹.فتاوی قراخانی

۵۰.مختار الفتاویٰ مؤلفہ ابو الفضل مجد الدین الموصلی(م۶۸۳ھ)

۵۱.تنویر لجامع الکبیر

۵۲.شرح کتاب الاستحسان مرتبه شمس الائمة الحلوانی

۵۳.فتاوی ابی الفتح مؤلفه مجد الدین ابو الفتح(م ۶۳۲ھ)

۵۴.فتاوی الخجندی

۵۵.فتاوی رشید الدین

۵۶.فتاویٰ النسفی

۵۷.فتاوی الفضیلی

۵۸.شرح الزیادات مؤلفه عتابی

۵۹.الاسعاف

۶۰.المستصفیٰ

۶۱.شرح ادب القاضی

۶۲.نوادر ابن سماعة

۶۳.الواقعات الحسامیة

۶۴.فوائد نظام الدین

۶۵.البحر الزاخر

۶۶.فصول الاتروشنی

۶۷.القدوری

۶۸.ینابیع الاحکام

۶۹.شرح مقدمة ابی اللیث

۷۰.الوقاية
۷۱.المصفیٰ
۷۲.الكفاية
۷۳.التهذيب
۷۴.جامع الجوامع
۷۵.جواهر الاخلاطی
۷۶.البرجندی
۷۷.غاية البيان
۷۸.اقرارالعيون
۷۹.مختارات النوازل مؤلفه صاحب الهداية
۸۰.شرح الهداية مؤلفه ابو العباس السروجی
۸۱.المنتقیٰ
۸۲.المجتبیٰ
۸۳.الواقعات
۸۴.التحريرشرح الجامع الكبيرللحصيری
۸۵.الفصول العمادية
۸۶.الحاوی
۸۷.الكفاية
۸۸.النهاية

ان مراجع کا سرسری مطالعہ ہی اس مجموعۂ فتاوی کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے، ان سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس مجموعہ کی ترتیب میں کس قدر دقت نظر ملحوظ رکھی گئی ہے، مرتبین نے کتنی جانکاہی اور جگرکاوی کا ثبوت دیا ہے۔

ترتیب واسلوب

کتاب عام فقہی کتابوں کی ترتیب سے مرتب کی گئی ہے، جیسے کتاب الطھارۃ، کتاب الصلاۃ، کتاب الزکاۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الرضاع، کتاب الطلاق، وغیرہ،ان میں سے ہر کتاب کئی ابواب پر مشتمل ہے،سوائے چند کے: کتاب اللقیط، کتاب اللقطۃ، کتاب الاباق، کتاب المفقود، یہ چاروں اجزاء ابواب سے خالی ہیں،اور ہر جزء ذیلی مباحث اور فصلوں پر مشتمل ہے،اوران کے مندرجات ہیں،جن میں فروعی مسائل تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں۔مثال کے طور پر کتاب الزکاۃ میں ۸ ابواب ہیں

۱۔ پہلا باب زکاۃ کے معنی،حقیقت اور شرائط پر مشتمل ہے

۲۔دوسرا باب جانوروں کی زکوۃ کے بارے میں ہے،اس میں پانچ فصلیں ہیں،پہلی فصل میں تمہید ہے،دوسری فصل اونٹ کی زکوۃ کے بارے میں،تیسری فصل گائے کی زکوۃ کے بارے میں۔ چوتھی فصل بکرے کی زکوۃ، پانچویں فصل ایسی اشیاء کے سلسلہ میں ہے جس میں زکوۃ نہیں۔

تیسرا باب سونے چاندی،سامان وغیرہ کی زکوۃ کے سلسلہ میں ہے،اس میں دو فصلیں ہیں،پہلی فصل سونے اور چاندی کے زکوۃ کے بارے میں،دوسری فصل سامان وغیرہ کی زکوۃ۔

چوتھا باب عشر دینے والے کے باب میں

پانچواں باب معدنیاتی اشیاء کے بارے میں

چھٹا باب کھیتی اور پھل کے بارے میں

ساتواں باب مصارف زکوۃ کے بارے میں اس مال کو بیت المال میں جمع کرنے کی چار شکلیں ہیں،آٹھواں باب صدقہ فطر کے بارے میں۔

فتاوی عالمگیری کے چند فقہی امتیازات

اس کتاب کی فقہی اہمیت مسلم ہے، کیونکہ اس میں یا تو وہ مسائل ذکر کئے گئے ہیں جن کا تعلق ظاہرالروایۃ سے ہے، ظاہرالروایۃ سے مراد امام محمدؒ کی چھ متعینہ کتابیں ہیں، (جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر، مبسوط، زیادات) یہ بات معلوم ہے کہ فقہی حنفی کی بنیاد ان ہی چھ کتابوں پر ہے، یا اس کتاب میں وہ مسائل ذکر کئے گئے ہیں جو راجح اور مفتی بہ ہیں۔

کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ موضوع کی اہم کتابوں کا خلاصہ اور قابل اعتماد مصادر کا نچوڑ ہے، اس کتاب کو ماہر علماء، فقہاء کی ایک ٹیم نے تیار کیا ہے، طول وطویل مباحثے اور قانونی مذاکرے کے بعد اس کو ترتیب دیا گیا ہے، جن لوگوں نے اس کی ترتیب میں حصہ لیا وہ علم وعمل، اور روایت ودرایت کی اعلی چوٹی پر تھے، تقوی وطہارت ان کا شعار تھا، اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوتیں تو نہ وہ اس عظیم کتاب کو مرتب کر سکتے تھے اور نہ یہ اغلاط سے پاک ہوتی۔

ہندوستان کی علمی اسلامی تاریخ میں فقہ اسلامی کا پہلا عظیم الشان کارنامہ ایک صداقت شعار، دیانتدار بادشاہ کے ذریعہ وجود میں آیا، جس میں فقہ اسلامی کے تمام مباحث کا احاطہ کیا گیا ہے، بادشاہ نے پوری سخاوت وفیاضی کے ساتھ اس میں حصہ لیا، جبکہ مسلمان حکمرانوں کے زمانہ کی سینکڑوں کتابیں نہ تو وہ طبع ہوسکیں اور نہ انہیں دوام ملا۔

فتاویٰ عالمگیری کو علمی حلقوں میں بڑی قبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے، عبادات ہی مصنفین کی کاوشوں کا مرکز نہیں رہے، بلکہ معاملات پر بھی ان کی کوششیں لائق مبارک باد ہیں۔

کتاب کا ہر مسئلہ حوالہ سے مزین ہے،اگر حوالہ دستیاب نہیں ہوا تو جس شخصیت سے یہ مسئلہ منقول ہے اس کا نام دیا گیا۔

فتاوی عالمگیری مشاہیر علماء کی نظر میں

مولانا محمد کاظم اپنی کتاب جہانگیر نامہ میں لکھتے ہیں:

''اورنگ زیب عالمگیر کی گونا گوں علمی اور اسلامی خدمات میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایک دینی فقہی انسائکلو پیڈیا تیار کرنے پر پوری توجہ مبذول کی، کیونکہ ہندوستان میں جو مسلمان فقہ اسلامی کے مطابق حنفی مسلک اور اس کے ائمہ کی اجتہادات کی روشنی میں زندگی گزار رہے تھے ان میں کمی آ گئی ہے، بلکہ وہ تقریبا ترک کر چکے ہیں، جہاں تک ان مسائل کا تعلق ہے، جو فقہ وفتاویٰ کی کتاب میں موجود ہے، وہ ضعیف روایتوں اور مختلف فیہ اقوال سے بھری ہوئی ہے، اور ایک کتاب میں یکجا بھی نہیں ہیں ،جس کی وجہ سے ان مسائل کا عمل بہت کم ہو گیا ہے، نہ عوام کو مسئلہ معلوم کرنے کے لئے کوئی فقیہ نظر آتا اور نہ ان کو صحیح مسئلہ بیان کرنے والا دکھائی دیتا، اللہ تعالیٰ نے اورنگ زیب عالمگیر کے دل میں بات ڈالی کہ انہوں نے ماہر علماء کرام کے تعاون سے اس کام کو انجام دیا، اور اپنی پوری توانائی مصادر فقہ کو جمع کرنے پر صرف کی، تا کہ مفتیان کرام تصنیف وتالیف کی بہترین خدمت انجام دے سکیں۔

علماء کی اس ٹیم کے صدر علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع تھے، انہوں نے بھر پور محنت کی اور مسائل کی تدوین میں مشغول ہو گئے، بادشاہ نے کام کرنے والے افراد کے لئے معقول وظیفہ بھی متعین کیا جو ان کو ماہ بماہ دیا جاتا تھا، انشاء اللہ بادشاہ کو اس جلیل خدمت کا خاطر خواہ اجر ملے گا'' (عالمگیر نامہ: ۱۰۸۶۔۱۰۸۷)۔

مولانا عبدالرحمٰن بہراوی جنہوں نے مصر کے مختلف مکتبہ بولاق سے اس

کتاب کو ۱۰۱۳اء میں طبع کرایا، وہ کتاب کا پس منظر ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یادرہے کہ اس آسان سہل کتاب کا پس منظر یہ ہے کہ عالی جناب بادشاہ وقت اورنگ زیب عالمگیرؒ جب دنیامیں دینی دعوت کو عام کرنے میں مصروف رہے ،اورچاہا کہ مفتی بہ قول کے مطابق اختلافات اورضعیف روایات سے گریز کرتے ہوئے ایسا مجموعہ مرتب ہونا چاہئے جو جامع ومانع ہو،تاکہ اس کا سمجھنا آسان ہواوراستفادہ ممکن ہو،چنانچہ انہوں نے نمائندہ علماء کو اس کام پر معمور کیا،مولانا نظام الدین کو ان کا صدر بنایا،انہوں نے جان توڑ کوشش کی اوراپنی نیتوں کو خالص کیا،اورچھوٹی بڑی کتابوں کی فہرست تیار کی،اوران کو منگایااوران سے مسائل نکالنے میں لگے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس مجموعہ کو مکمل کرنے کی توفیق دی،اس طرح یہ کتاب جامع اورتمام فروعی مسائل کا احاطہ کرنے والی قرارپائی،اس کا نام فتاویٰ عالمگیری رکھا گیا،سلطان عالمگیرؒ نے اس کی ترتیب کا حکم دیا تھا''(مقدمہ طبع دوم:۲)۔

مؤرخ ہند مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ''الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند''میں اس فقہی مجموعہ کے متعلق رقمطراز ہیں:

''جہاں تک فتاویٰ عالمگیری کی بات ہے تو لوگ اس کو فتاویٰ ہندیہ بھی کہتے ہیں، یہ کتاب ایسی نفع بخش ہے کہ اس میں مسائل زیادہ،عبارتیں سہل،مشکل مقامات حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے،عالم عرب میں یہ کتاب فتاویٰ ہندیہ کے نام سے مشہور ہے، یہ چھ بڑی جلدوں میں ہے،پہلی جلد کا آغاز ہوتا ہے۔الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدالمرسلین ''۔یہ کتاب ہدایہ کے طرز پر مرتب کی گئی ہے،اورظاہرالروایۃ کو اہمیت دی گئی ہے، ہرعبارت اس کے لکھنے والے کی طرف منسوب کی گئی ہے، میں برابر فکرمند رہا کہ اس کے پیچھے کیاراز ہے،تو معلوم ہوا کہ سلطان اورنگ زیب نے مولانا نظام الدین برہانوی کو اپنی سلطنت کے آغاز میں اس کام پر

معمور کیا تھا، انہوں نے علماء کی ایک ٹیم کے ساتھ اس کام کو انجام دیا، بادشاہ نے اس کی ترتیب میں دولاکھ روپئے خرچ کئے" (الثقافۃ الاسلامیہ ص/۱۰)

فتاوی عالمگیری ہر مسلمان کی ضرورت

بلاشبہ یہ فقہی انسائیکلوپیڈیا فقہ اسلامی کے مفید ترین مصادر میں ہے، بحث وتحقیق کے راہ رو کے لئے اس سے اعراض کرنا ممکن نہیں، خاص طور سے ان حضرات کے لئے جو قانون اسلامی کے سرچشمہ تک پہنچنا چاہتے ہیں، اور ہندوستان میں فقہی موضوعات پر کام کرنے والوں کو بھی اس کتاب کی شدید ضرورت ہے، اسی طرح یہ کتاب ان ملکوں ،اداروں کی ضرورت ہے جو فقہ اسلامی سے نسبت رکھتے ہیں اور دستور اسلامی پر کام کرنا چاہتے ہیں۔

اس کتاب کے کئی ایڈیشن نکلے، پہلا دوسرا ایڈیشن مصر میں ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوا ،مولانا عبدالرحمٰن بہراوی نے اس کا اہتمام کیا، اس کتاب کا فارسی زبان میں بھی ترجمہ ہوا، علامہ عبداللہ رومی نے اس کام کو انجام دیا، مولانا عبدالرحمٰن رومی شاہجہاں کے زمانہ میں ہندوستان آئے تھے، یہ دربار میں ایک کارکن کی حیثیت سے رہے، اس ترجمہ کے علاوہ ان کی متعدد کتابیں ہیں، فارسی زبان میں قاضی القضاۃ شیخ نجم الدین کاکوری (۱۲۲۹ھ) نے کتاب الجنایات سے متعلق حصہ کی شرح لکھی ہے،، یہ مفید شرح ہے۔ تیرہویں صدی کے آغاز میں لکھی گئی۔

کتاب کا اردو ترجمہ علامہ سید امیر علی ملیح آبادی نے کیا ہے، وہ چودھویں صدی کے علماء میں ہیں، ندوہ سے انتظامی تعلق ایک عرصہ تک رہا ہے۔

باوجودیکہ کتاب پر تین سے زائد صدیاں گزر گئیں، لیکن کتاب کی جدت وندرت میں کوئی فرق نہیں آیا، برابر یہ کتاب فقہ اسلامی کا مرجع رہی ہے، جس طرح

روز اول تھی ، ہر آدمی کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اسلامی فقہ کا مطالعہ کرے ،اس کی خصوصیات سے واقف ہو،اوراس فن کے دائرہ کووسیع کرنے میں مصروف رہے۔

آج جبکہ سرکاری وغیرسرکاری سطح پرلوگوں کی دلچسپی فقہ وقانون سے بڑھ رہی ہے اوروہ اسلامی دستورکولانا چاہتے ہیں اورعالمی سطح پر اس کو استنادی حیثیت دیتے ہیں،توہم قارئین کی توجہ اس اہم علمی کام کی طرف مبذول کرتے ہیں،امید ہے کہ انہیں اس سے خاطرخواہ فائدہ ہوگا۔ **وماذلک علی اللہ بعزیز۔**[1]

فتاویٰ عالمگیری ہندوستان کا قابلِ فخر کارنامہ

مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان میں ....ہر زمانہ کے اکابر علماء اپنے طور پر اس فرض کو (یعنی خالص دینی علوم تفسیر وحدیث ورجال وطبقات کی خدمت واشاعت کو)انجام دیتے رہے، اور دینی علوم کی خدمت میں دوسرے اسلامی ممالک سے ہندوستان کا قدم نہ صرف پیچھے نہیں رہا بلکہ ان کے بعض علمی ودینی کام ایسے ہیں جس کی مثال کوئی عرب ملک بھی پیش نہ کرسکا،حکومت کے بیشتر قوانین بھی اسلامی تھے،خصوصاً مسلمانوں کی روزانہ زندگی کے معاملات ومعاشرتی مسائل کاتعلق فقہ سے تھا،اس لئے ہر دور میں فقہ کی جانب خاص توجہ رہی ،اورفقہ کی کتابوں پرشروح وحواشی لکھے گئے ،اورمطوّلات کے مختصرات کئے گئے ،فقہ وفتاویٰ کی متعدداہم کتابیں مثلاً فتاویٰ تاتارخانیہ،فتاویٰ حمادیہ، اورفتاویٰ ابراہیمیہ تالیف ہوئیں ،اورنگ زیب عالم گیرؒ نے فتاویٰ عالمگیری مدون کرائی جو ہندوستان کا قابل فخر کارنامہ اورگذشتہ فتاویٰ کی کتابوں میں سب سے زیادہ جامع اور ممتاز ہے ،اول الذکر فتاویٰ افراد کی تالیف تھے ،اور فتاویٰ عالمگیری گیارہویں صدی

[1] ماخوذازالبعث الاسلامی جلدنمبر۲۹شمارہ نمبر۱ترجمہ ازعربی مولانامحمدفرمان صاحب ندوی نیپالی

ہجری کے پورے ہندوستان کے منتخب علماء کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اسی لئے اس میں جو جامعیت اور جزئیات کا جس قدر استقصاء ہے، وہ دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے، اور اس کو گذشتہ فتاویٰ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔[1]

فتاویٰ عالمگیری مرتب کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

سید محمد متین ہاشمیؒ (لاہور) مذکورہ کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کا عہدِ حکومت اسلامی احکام کے نفاذ کے اعتبار سے تمام مغل حکمرانوں کے مقابلے میں ایک مثالی عہد حکومت مانا جاتا ہے۔

(انہوں نے) جب اسلام کے عدالتی اور معاشرتی نظام کو مکمل طور پر نافذ کرنے کا ارادہ کیا تو چونکہ ملک کی مسلم اکثریت حنفی مسلک کی پابند تھی اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ فقہ حنفی کے مطابق اس ملک کے تمام نظامات بالخصوص عدالتی نظام کو چلایا جائے لیکن دشواری یہ تھی کہ اسلامی دنیا میں فقہ حنفی کی کوئی ایسی مستند واحد جامع کتاب موجود (اور عام طور پر دستیاب) نہ تھی جس سے ایک عام مسلمان بآسانی کسی مفتیٰ بہ مسئلہ کو اخذ کر سکے اور شریعت کے احکام سے بخوبی واقف ہو سکے، علماء اور فقہاء کے درمیان بہت سے مسائل میں اختلاف موجود تھا اور ہر عالم کی رائے دلائل کے ساتھ کتابوں میں موجود تھی، جب کسی شخص کو ان مسائل کے بارے میں واقفیت حاصل کرنا ہوتی تھی تو کسی ایک حتمی رائے پر پہنچنے کے لئے ضروری تھا کہ فقہ کی سیکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کی جائے، نیز یہ کام اس وقت تک انجام نہیں پا سکتا تھا جب تک کہ کسی شخص کو علم فقہ میں مہارت تامہ حاصل نہ ہو، اور بہت سی مبسوط کتابیں اسے میسر نہ ہوں، اندازہ لگائیے کہ حکم صحیح اور حق صریح کو معلوم کرنے میں عام اہل علم کو کس قدر دشواریاں

[1] فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مولفین ص ۱۳

پیش آتی ہوں گی، ان حالات کے پیش نظر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے فیصلہ کیا کہ ایک ایسی جامع اور مبسوط حنفی فقہ کی کتاب مرتب کرائے جو دیگر کتب فقہ سے بے نیاز کردے اور فقہ کی تمام جزئیات کو محیط ہو نیز ہر حکم مفتیٰ بہٖ ہو، اس کام کی انجام دہی کے لئے عالم گیرؒ نے دہلی کے علاوہ سلطنت مغلیہ کے اطراف واکناف سے ایسے علماء جمع کئے جنہیں علم فقہ میں مہارت تامہ حاصل تھی اور انہیں حکم دیا کہ مختلف کتابوں کی مدد سے ایک ایسی جامع اور مستند کتاب تیار کریں جس میں نہایت تحقیق کے ساتھ تمام مسائل جمع کئے جائیں تاکہ حکّام اور علماء احناف دیگر حنفی کتب فقہ سے مستغنی ہوجائیں۔[1]

فتاویٰ عالمگیری کی چند اہم خصوصیات

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

(۱) فتاویٰ عالم گیری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی ایک شخص کی تالیف نہیں، بلکہ علماء کی ایک ممتاز جماعت کی تالیف ہے، اس لئے وہ ان نقائص اور فروگزاشتوں سے پاک ہے، جس کا ایک فرد واحد کی تالیف میں امکان رہتا ہے۔

(۲) اس میں وہی مسائل لئے گئے جو راجح اور مفتیٰ بہٖ یا ظاہر الروایت کے ہیں، اگر کوئی مسئلہ ظاہر الروایت میں نہیں ہے، تو نوادرات سے لے لیا گیا ہے، لیکن اس تصریح کے ساتھ کہ کتاب میں اس پر فتویٰ کا اشارہ موجود ہے۔

(۳) جس مسئلہ کے بارے میں دو مختلف اقوال ہیں اور دونوں میں سے کوئی قابل ترجیح نہیں ہے تو دونوں کو مع حوالہ نقل کردیا گیا ہے، اگر کسی کتاب کی لفظ بہ لفظ نقل ہے تو ''کذا'' لکھ دیا ہے اور اگر اس کا خلاصہ اور مفہوم لے لیا ہے، تو ''ھٰکذا'' سے اشارہ کردیا گیا ہے۔

[1] مقدمہ فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین ص ۵

(۴) ہر مسئلہ کے ساتھ اس کے مأخذ کا مفصل حوالہ بھی دے دیا ہے جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے اگر اس میں کسی دوسرے کتاب سے نقل کیا گیا تو ''نــاقلاً عن فلان'' کر کے اصل ماخذ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔

(۵) یہ کتاب تقریباً آٹھ برس میں تیار ہوئی، اور کم وبیش دولاکھ روپئے اس پر صرف ہوئے۔[۱]

فتاویٰ عالمگیری کی تیرہ خصوصیات

مولانا محمد صدر الحسن صاحب ندوی دامت برکاتہم فتاویٰ عالمگیری کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(۱) اس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف ایک شخص یا دو چار افراد کی علمی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ علماء دین اور فقہاء کرام کی ایک بڑی جماعت کی کوششوں سے معرض وجود میں آیا ہے، جن علماء کرام کو اس کی تدوین وتالیف کے لئے منتخب کیا گیا تھا وہ نہ صرف علوم دینیہ اور خاص طور پر علوم فقہ میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے بلکہ زہد وتقویٰ، انابت الی اللہ اور خشیت وللّٰہیت میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، انہوں نے پوری جانفشانی اور عرق ریزی سے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا، نیز علماء کرام نے مسائل میں بحث وتمحیص اور اس کی تشریح وتوضیح میں کمال احتیاط اور دیانت کا ثبوت دیا اور چونکہ یہ علماء فقہ کی ایک پوری جماعت کی تگ وناز علمی کا نتیجہ ہے اس لئے اس میں فقہی اعتبار سے غلطی کے بہت کم امکانات ہیں۔

(۲) اس کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی عبارت بہت سہل اور رواں ہے، اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو بہت ہی عمدہ طریقہ سے حل کیا گیا ہے۔

[۱] فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین ص ۱۵

علامہ شبلی نے بجا لکھا ہے کہ:

اس کتاب کا امتیازی وصف یہ ہے کہ جو مسائل تمام کتب فقہ میں پیچیدہ الفاظ میں پائے جاتے ہیں ان کو اس قدر آسان کر کے لکھا ہے کہ ایک بچہ تک سمجھ سکتا ہے۔

(۳) اس کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب ہدایہ کی ترتیب پر مرتب کی گئی ہے اور ان میں صرف ان ہی مسائل کو لیا گیا ہے جو ظاہر الروایہ (یعنی فقہ حنفی کی وہ چھ معروف کتابیں جو امام محمد کی تصنیف ہیں اور وہ ہیں جامع کبیر ،جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر) سے ثابت ہیں جو مسائل نوادر سے ثابت ہیں ان کو ذکر نہیں کیا ہے، صرف اس صورت میں ذکر کیا ہے جب ظاہر الروایۃ میں مسئلہ کا جواب نہ ملا ہو یا نوادر کے جواب میں صراحت ہو کہ اس پر فتویٰ بھی ہے۔

(۴) اس کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی ہندوستان میں علم فقہ کی یہ پہلی مفصل اور مبسوط کتاب ہے جو ایک دیندار بادشاہ کی ذاتی سعی ومحنت سے لکھی گئی ہے کیونکہ بادشاہ خود روزانہ چند صفحات سنتا تھا، اور مسائل پر جہاں ضرورت ہوتی علماء سے بحث کرتا تھا، اس کتاب سے پہلے بھی مختلف حکمرانوں کے دور میں فقہاء نے فتاویٰ ترتیب دیئے اور اس دور کے حکمرانوں کی طرف ان کا انتساب کیا لیکن ان کو وہ شہرت نہ مل سکی جو اس مجموعہ فتاویٰ کو حاصل ہوئی۔

(۵) اس کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فقط حصۂ عبادات ہی کو اہمیت نہیں دی گئی ہے بلکہ حصۂ معاملات بھی متعدد ضروری تفصیلات وجزئیات پر مشتمل ہے۔

(٦) اس کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ ہر مسئلہ کے مأخذ کا حوالہ دے دیا گیا ہے اور اگر اصل کتاب جس کا حوالہ دیا گیا ہے سامنے نہیں ہے اور مسئلہ دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو ''ناقلا عن فلان'' کا لفظ لکھ کر اصل ماخذ کا ذکر کر دیا گیا ہے اور بغیر کسی شدید ضرورت کے اصل کتاب کی عبارت میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔

(۷)اس کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب بہت ہی اہم مفید اور اپنے موضوع پر جامع ہے اس میں مسائل کا امکانی حد تک زیادہ احاطہ کیا گیا ہے۔

(۸)اس کی آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تدوین وترتیب میں مسائل کے تکرار اور متن میں حشو وزوائد سے پرہیز کیا گیا ہے۔

(۹)اس کی نویں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایسے مسائل کو درج کرنے سے حتی الامکان پہلوتہی کی گئی ہے جن کا حل نادر اور شاذ تصور کیا گیا ہے۔

(۱۰)اس کی دسویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے حوالے مستند کتابوں کی اصل عبارتوں پر مشتمل ہیں اور گویا اس میں فقہ کی تمام قابل ذکر وقیع کتابوں کا عطر آ گیا ہے اور اس کے مآخذ ومراجع فقہ میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

(۱۱)اس کی گیارہویں خصوصیت یہ ہے کہ ابواب کی تقسیم اور مضامین کی تہذیب اس انداز پر کی گئی ہے کہ مسائل ڈھونڈنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

(۱۲)اس کی بارہویں خصوصیت یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں دو یا دو سے زیادہ حل کسی معتبر کتاب میں درج پائے گئے ہیں تو مزید دلائل اور سیر حاصل بحث کے بعد صرف وہی حل درج کیا گیا ہے جسے دیگر فیصلوں پر ترجیح حاصل ہے۔

(۱۳)اس کی تیرہویں خصوصیت یہ ہے کہ اولاً تو اس میں شاذ اور نادر الوقوع مسائل نہیں لئے گئے ہیں، لیکن اگر شاذ فیصلوں کے اندراج کے بغیر چارہ کار نہ تھا تو اس کو کتاب میں جگہ دینے سے دریغ بھی نہیں کیا گیا ہے۔[۱]

---

[۱] اورنگ زیب اور تدوین فتاویٰ عالمگیری ص،۴۰، ۴۳

فتاویٰ عالمگیری کی اہمیت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی نظر میں

جناب ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب فلاحی اپنے مقالہ ''فتاویٰ عالمگیری المسوّیٰ کا بنیادی ماخذ'' میں عنوان ''المسویٰ میں فتاویٰ عالمگیری سے استناد'' کے تحت تحریرفرماتے ہیں:

مسویٰ میں فتاویٰ عالمگیری کو مصدر و مرجع بنانے کی بنیادی وجہ ہندوستان میں سماجی مسائل کا تنوع اور مقتدر فقہاء کے ذریعہ اس کی تفہیم معلوم ہوتی ہے، چنانچہ حضرت شاہ صاحب کے اس استفادہ کی وجہ سے فتاویٰ عالمگیری کا مقام و مرتبہ اور اس کا تحقیقی معیار و مقام مزید مستحکم ہوجاتا ہے، برصغیر میں ''فتاویٰ غیاثیہ'' (بلبن کے دور ۱۲۶۶ء کی یادگار) پہلا فقہی مجموعہ ہے، اس کے بعد ''فتاویٰ فیروز شاہی'' اور ''فتاویٰ تاتارخانی'' فیروز شاہ تغلق کے عہد کے اجتماعی دواوین فقہ وفتاویٰ ہیں، لیکن حضرت شاہ صاحب نے صرف فتاویٰ عالمگیری ہی کو لائق اعتناء سمجھا، جس کی وجہ سے برصغیر کے دیگر فتاویٰ کے بالمقابل صرف اسی کو شایان شان شہرت حاصل ہوسکی ہے۔

مسویٰ میں ''فتاویٰ عالمگیری'' کے پچھتّر (۷۵) حوالے موجود ہیں، تمام حوالوں کی تفصیلات قاری کے لئے الجھن کا باعث ہوں گی، لہٰذا یہاں صرف انتیس (۲۹) حوالوں کی تفصیل پیش کی جارہی ہے اور ان کا اردو میں ترجمہ کردیا گیا ہے، باقی حوالوں کے صرف صفحات کی تعیین کردی گئی ہے۔ (احقر نے اختصار کے پیش نظر بطور مثال کے ۲۹ میں سے چند کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں) (مرتب)

(۱) فقہاء کا اتفاق ہے کہ عمل قلیل سے نماز باطل نہیں ہوگی، عالم گیریہ میں ہے کہ اگر نمازی اپنے کندھے پر کسی بچے کو بٹھالے یا کوئی کپڑا رکھ لے تو اس کی نماز فاسد

نہیں ہوگی، لیکن اگر کوئی ایسی چیز کندھے پر رکھے جسے اٹھائے رہنے میں اسے مشقت ہوتو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

(کتاب الصلوٰۃ باب العمل الیسیر لایبطل الصلوٰۃ مسویٰ، ۱/۱۲۴)

(۲) عالم گیریہ میں ہے کہ اگر مقتدی امام سے قبل رکوع اور سجدہ سے اپنا سر اٹھالے تو دوبارہ سر جھکالے، ایسا کرنے سے اس کے دو رکوع اور دو سجدے نہیں ہوجائیں گے۔

(کتاب الصلوٰہ ،باب یجب اتباع الامام فی جمیع الحالات مسویٰ، ۱/۱۳۳)

(۳) عالم گیریہ میں ہے کہ مستحب قرأت سے زیادہ قرأت نہ کرے اور مقتدیوں کو مشقت میں مبتلا نہ کرے، بلکہ تکمیل اور استحباب کے ساتھ تخفیف سے کام لے۔

(کتاب الصلوٰۃ ،باب علی الامام ان یخفف فی الصلوٰہ ،مسوی ، ۱/۱۳۴)

(۴) عالم گیریہ میں ہے کہ چھوٹی ہوئی نماز اور ادا نماز کے درمیان، اسی طرح چھوٹی ہوئی نمازوں کے درمیان ترتیب ہونی چاہئے، چنانچہ بغیر عذر کے چھوٹی ہوئی نماز کی قضا سے قبل وقت کی نماز پڑھنا جائز نہیں۔(باب یقضی الفائتۃ قبل الوقتیۃ مسویٰ ، ۱/۱۴۰)

(۵) عالم گیریہ میں ہے کہ سنتوں کی قصر نہیں ہے، بعض فقہاء نے مسافر کے لئے سنتوں کا ترک کرنا جائز قرار دیا ہے، مسلک مختار یہ ہے کہ نمازی حالتِ خوف میں سنتیں نہیں پڑھے گا، لیکن امن وسکون کی حالت میں انہیں پڑھے گا۔

(باب قضاء فائتۃ السفر بیان قضاء فائتۃ السفر مسویٰ، ۱/۱۴۵)

(۶) عالم گیریہ میں ہے کہ مریض اور مسافر سے جمعہ ساقط ہونے کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ شدید بارش ہورہی ہو یا ظالم بادشاہ کے خوف سے وہ روپوش ہوں، البتہ اگر وہ ادا کرلیتے ہیں تو فرض ادا ہوجائے گا۔(باب لا جمعۃ علی مریض ولا مسافر ،فان صلاھا احدھما وقعت عن الفرض وان ام فیھا جاز مسویٰ. ۱/۱۵۶)

(۷) عالم گیریہ میں ہے کہ سنت اگر اپنے وقت پر ادا نہ کی جاسکے تو اس کی قضا کی

ضرورت نہیں ہے، البتہ فجر کی سنت کا اس سے استثنا ہے کہ اگر فجر کی فرض نماز بھی چھوٹ گئی ہو تو زوال سے پہلے فجر کی فرض اور سنت دونوں کی قضا کر لینی چاہئے، تنہا سنت کی قضا لازم نہیں، البتہ امام محمدؒ کہتے ہیں کہ تنہا فجر کی سنت کی بھی قضا کر لینی چاہئے۔

(باب قضاء رکعتی الفجر مسوی، ۱/۱۶۵)

(۸) عالم گیریہ میں ہے کہ مباح وقت میں نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت اگر واجب ہو جائیں تو انہیں مکروہ وقت تک مؤخر کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر وہ مکروہ وقت میں واجب ہوئے ہوں تو ان اوقات کے اندر ان کی ادائیگی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(باب خمس ساعات یکرہ الصلوٰۃ فیھا، ۱/۱۹۴)

(۹) عالم گیریہ میں ہے کہ ابن شہابؒ نے نماز جنازہ میں چھوٹی ہوئی تکبیر کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کیا۔(باب المسبوق فی صلوۃ الجنازۃ کیف یفعل، ۱/۲۰۱)

(۱۰) عالم گیریہ میں ہے کہ مصیبت کا مارا نوحہ اور سینہ کوبی نہیں کرے گا، البتہ رقّتِ قلب کے ساتھ پست آواز میں رونا جائز ہے۔(باب مایقوله المصاب، ۱/۲۰۳)

(۱۱) عالم گیریہ میں ہے کہ قبر پر عمارت تعمیر کرنا یا اس پر بیٹھنا یا سونا یا ٹیک لگانا یا پیشاب پاخانہ کرنا جائز نہیں ہے۔(باب القعود علی القبور والتوسد علیھا، ۱/۲۰۵)

(۱۲) عالم گیریہ میں ہے کہ زکوٰۃ ایسا فرض ہے جس کا انکار کرنے والا قتل کر دیا جائے گا اور وہ کافر قرار پائے گا۔ (باب قتال من منع الزکوٰۃ، ۱/۲۰۷)

(۱۳) عالم گیریہ میں ہے کہ اگر دوران اعتکاف شوہر بھول کر بھی دن یا رات میں اپنی بیوی سے ہم بستری کر لے تو خواہ مادہ منویہ باہر آئے یا نہ آئے، اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

(باب یحرم علی المعتکف مباشرۃ المرأۃ، ۱/۲۶۴)

(۱۴) مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کرنے کا حکم ہے۔

عالم گیریہ میں ہے کہ وہاں جمع بین الصلوٰتین کے لئے خطبہ،سلطان، جماعت اوراحرام وغیرہ شرائط میں سے نہیں ہیں۔(باب یجمع بین المغرب والعشاء بمزدلفة، ۱/۳۲۲،۳۳۲)

(۱۵)طواف صدر کے بارے میں عالم گیریہ میں ہے کہ حاجی جب مکہ سے نکلنے کا ارادہ کرے تو اس پر طواف وداع واجب ہے،البتہ اہل مکہ اور عمرہ کرنے والے پر طواف صدر واجب نہیں ہے۔ (باب طواف الوداع، ۱/۱ ۳۳)

(۱)فتاویٰ عالم گیری کو شاہ ولی اللہؒ نے مصفّٰی میں وارد تقریباً پچھتر (۷۵) احادیث وآثار کے ضمن میں مرجع ومصدر کے طور پر استعمال کیا ہے،اور یہی پوری تفصیل مسوی کی جلد اول کہلاتی ہے،جس کا خلاصہ یہ ہے:

الف: کتاب الصلوٰہ(ص۲۲،۲۰۵)(۳۰) جگھوں پر عالم گیریہ سے استفادہ ہے۔

ب: کتاب الزکوٰۃ(ص۲۰۶،۲۳۰) پانچ (۵) جگھوں پر عالم گیریہ سے حوالے پیش کے گئے ہیں۔

ج: کتاب الصیام (ص۲۳۰،۲۶۶) نو(۹) مقامات پر عالم گیریہ کی عبارتیں موجود ہیں۔

د: کتاب الحج (ص۲۶۶،۳۳۹) انتیس(۲۹) مسئلوں میں عالم گیریہ سے فقہی استفادہ کیا گیا ہے۔

ر: کتاب البیوع والمعاملات(ص۳۴۰،۴۱۸) دوجگہ عالم گیریہ کا حوالہ ہے۔

س: کتاب الفرائض (ص۴۱۸،۴۵۰) ایک مقام پر عالم گیریہ کا ذکر موجود ہے۔

۲۔شاہ ولی اللہؒ کا عالم اسلام کے دیگر مجامیع وآخذ فقہیہ کے مقابلے میں فتاویٰ عالم گیری سے اس کثرت سے استفادہ برصغیر کے فقہی سرمائے کو علمی وقار عطا کرتا ہے۔[۱]

[۱] ماخوذ از سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ ج۳۳ شمارہ۳ رمضان، ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ ص۴۶ تا۵۳

فصل متفرقات

فقہ وفتویٰ کے میدان میں تحقیقی کام کرنے کی ضرورت

حضرت مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ تغیر پذیر علم فقہ ہے، اس لئے اس کو زمانہ کا ساتھ دینا ہے، ہر موڑ پر رہنمائی کرنی ہے، ہر مسئلہ کا حل کا بتانا اور ہر پیچیدگی کو دور کرنا ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ جس زمانہ میں زندگی زیادہ سادہ، مسائل کم اور وسائل محدود تھے اس زمانہ میں فقہ کی تدوین ترتیب اور تبویب کا زیادہ بہتر کام ہوا، بلکہ جو کچھ ہوا اسی دور میں ہوا۔

اس کے برعکس گذشتہ ایک صدی میں جب دنیا کے زمین وآسمان بدل گئے ہیں زمانہ کے ساتھ اس کی تطبیق کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی، مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کو خصوصیت کے ساتھ اس مسئلہ کی اہمیت کا پورا احساس تھا۔

آج مسلمانوں کی کثیر تعداد بیع وشراء، شرکت ومضاربت، سودی قرضوں، بینک کے نظام انشورنس، پرسنل لا، خاندانی منصوبہ بندی، حجاب واختلاط نیز مغربی تمدن اور طرز تعلیم سے پیدا ہونے والے متعدد مسئلوں میں واضح اور متعین طریقہ سے رہنمائی چاہتی ہے۔

آج سوسائٹی کے ہر شریک اور کارخانہ، دفتر، دکان، کھیت اور کھلیان میں کام کرنے والے مسلمان کو زندگی کے ہر مسئلہ میں رہنمائی کی ضرورت ہے، لیکن اس طرح کے مسائل میں ان کو واضح اور اطمینان بخش رہنمائی نہیں ملتی، اس کے برخلاف جدید تعلیم یافتہ طبقہ مغرب زدہ اہل قلم اور غیر مسلموں کو یہ کہنے کا اور اس خیال کی آبیاری کا پورا موقع ضرور ملتا ہے کہ فقہ اسلامی آج زمانہ کا ساتھ کہاں دے سکتی ہے، ندوۃ العلماء نے آج سے بہت پہلے وقت کی آواز کو سمجھا تھا، آج زمانہ پھر اس کے دروازہ پر دستک دے رہا

ہے اور زیادہ قوت اور شدت کے ساتھ"۔[1]

بانی ندوہ مولانا محمد علی مونگیریؒ کی فقہ سے خصوصی دلچسپی

حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ، بانی ندوہ حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا محمد علی مونگیریؒ کو فقہ سے خصوصی دلچسپی تھی، مسائل کی تحقیق کے لئے اکثر دس دس پندرہ پندرہ روز کے لئے لکھنؤ تشریف لاتے اور مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ سے تبادلہ خیال کرتے، مولانا کی فقہی آراء کا اچھا خاصا ذخیرہ خانقاہ رحمانی میں ابھی موجود ہے اور "کتاب المسئلہ" کے نام سے موسوم ہے۔.............

مولاناؒ نے گیارہ دفعات پر مشتمل محکمہ افتاء کا ایک با قاعدہ خاکہ پیش کیا جس کے مطالعہ سے مولانا کے تبحّر علمی وسیع النظری اور بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے"۔[2]

فقہ کی تدوین جدید اور نئے مسائل میں تحقیق کی ضرورت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اس دور کی یگانہ شخصیتوں میں ایک مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کی ذات بھی ہے، جو جامعیت وتوازن کا ایسا مرقع ہے جس کی مثال اس دور میں مشکل سے ملے گی۔

انہوں نے جس طرح فقہ کی تدوین جدید اور جدید مسائل وضروریات پر نئے سرے سے غور کرنے کی ضرورت بیان کی، ان کی جرأت وہی کر سکتا تھا، جس کا اخلاص، جس کا فہم اور جس کا ورع وتقویٰ ہر شبہ سے بالاتر ہو، اور جس کو خود رسوخ فی العلم ... حاصل ہو"۔[3]

---

[1] پیام ندوہ ص ۱۳۲ تا ۱۳۵ [2] پیام ندوہ ص ۱۳۳ [3] تاریخ ندوہ ص ۱۰۰ ج ۱ مقدمہ سیرت مولانا محمد علی مونگیری ص ۲۲

حضرت مولانا سیدابوالحسن علی ندویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

کسی زمانہ میں بھی کوئی بڑا علمی و تعلیمی ادارہ ان فقہی مسائل سے غیر متعلق نہیں رہ سکتا جو جدید حالات ، تمدن ،علوم وسائنس کی ترقی اور نئے تنظیمی واقتصادی نظاموں نے پیدا کردیئے ہیں، مسلمان بجاطور پران دینی مرکزوں سے جن میں اونچے پیمانے پرفقہ واصول کی تعلیم ہوتی ہے ان مسائل میں رہنمائی کے طالب ہیں اور ایک بڑا طبقہ جو دینی احساس اور خوف خدا رکھتا ہے ان کے بارے میں حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے مضطرب ہے۔

ندوۃ العلماء پر یہ ذمہ داری خاص طور پر اس لئے عائد ہوتی ہے کہ علماء کی اس انجمن کے قیام اور ایک بلند پایہ دارالعلوم کی تاسیس کے اہم مقاصد میں سے نئے مسائل پرغور اور جدید تبدیلیوں کے مطابق احکام وجزئیات کا استنباط اور مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا فرض بھی شامل تھا۔

نیز تحریر فرماتے ہیں:

یہ فقہ کی تدوین جدید کا اہم کام ہے جس کو بلا تاخیر ہونا چاہئے ،ندوۃ العلماء کے لئے یہ بڑی سعادت کی بات ہوگی کہ وہ اپنے دارالعلوم کے اندر یہ کام شروع کرے اور اس کے لئے ایک مستقل شعبہ قائم کرے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مجلس تحقیقات شرعیہ کے نام سے ایک مجلس بھی قائم ہے جس کے قیام کا محرک مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ ہی ہوا تھا۔[1]

حضرت مولانا سیدمحمد الحسنی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

مقام مسرت ہے کہ ایک طویل وقفہ کے بعد اس کام کا آغاز دارالعلوم میں کیا جاچکا ہے ،اور ''مجلس تحقیقات شرعیہ'' کے نام سے ایک ادارہ عرصہ سے قائم ہے اور یہ خدمت انجام دے رہا ہے۔[2]

[1] مقدمہ معاشرتی مسائل ص۲ [2] پیام ندوہ ص۱۳۶

ہر زمانہ میں علماء وفقہاء کا وجود ضروری ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''یہ ضروری ہے کہ ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہیں ......(جو) دینی حقائق اور اصول وتعلیمات اور زندگی کے واقعات اور زندگی کے عملی مسائل کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کریں، ہر دور میں اسلامی قانون کی برتری کو ثابت کریں''[1]

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''پروردگار عالم کی طرف سے ہدایت کردہ احکام کو اختیار کرنا مسلمان کی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ضرورت کے مطابق تعداد میں علماء دین ہوتے رہنے چاہئے، جن سے شریعت اسلامی کے احکام معلوم کئے جاتے رہیں جیسا کہ قرآن مجید کا حکم ہے کہ:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ افراد وہ ہوں جنہوں نے احکام شریعت کو صرف معلوم ہی نہ کیا ہو بلکہ ان کو اس طرح سمجھا ہو کہ حسب ضرورت بتا سکیں، ان احکام کو جاننے اور سمجھنے کے لئے ان کو قرآن وحدیث سے گہرا استفادہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، یہی تفقہ فی الدین ہے جس کا قرآن مجید میں حکم ہے:

لِيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ[2]

فقہ کا لفظ کوئی نئی تعبیر یا نئی اصطلاح نہیں ہے، یہ عہد اول سے استعمال میں رہا ہے اور وہ مفہوم ہے بات کو ٹھیک سے سمجھنا، قرآن مجید میں یہ لفظ اسی طرح آیا ہے

[1] خطبات مفکر اسلام ص۹۳ ج ۳ [2] مقدمہ فتاویٰ ندوۃ العلماء ص۳۴ ج ۳

ارشاد ربانی ہے:

فَلَوْ لاَ نَفَرَمِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ.

یعنی ہر جماعت میں کچھ لوگ نکلیں جو دین کے سلسلہ کی بات کو سمجھیں، یعنی دین کا علم صحیح طور پر سمجھیں، لہٰذا فقہ کے عنوان سے دین کے مسائل کو صحیح طور پر سمجھنا ہوتا ہے۔[1]

فتوے کی حقیقت اور فقہاء کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

قرآن مجید میں ان لوگوں کے عمل کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیام کر کے احکام دین معلوم کرتے تھے لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ فرمایا گیا ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے کا اہتمام کریں تا کہ دین کو غور سے سمجھیں، لہٰذا احکام دین کو جاننے کے لئے فقہاء دین کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے اور وہ جو وضاحت کرتے ہیں اس کو فتویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ کام شروع سے جاری رہا اور اب بھی جاری ہے، اس کے لئے مستقل علمی مراکز اور شعبے ہوتے ہیں، ان شعبوں سے جو فتاویٰ صادر ہوتے ہیں ان کے مجموعے بھی تیار ہوتے ہیں۔[2]

ندوۃ العلماء کے نزدیک دار الافتاء و دار القضاء کی اہمیت

حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

ندوۃ العلماء کی تحریک صرف اصلاح نصاب تک محدود نہ تھی، اس نے زندگی کے مختلف اجتماعی اور معاشرتی شعبے اپنے دائرہ کار میں رکھے تھے، ان شعبوں میں سرفہرست جو چیز تھی وہ وسیع پیمانہ پر دار القضاء یا دار الافتاء کا قیام تھا۔[3]

[1] مقدمہ فتاویٰ علماء ہند ص ۴۱ ج ۱ مطبوعہ ممبئی الہند [2] مقدمہ فتاویٰ ندوۃ العلماء ص ۳۴ ج ۲ [3] پیام ندوہ ص ۱۳۰

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ بیان فرماتے ہیں:

''جب فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ زمانہ بدل جانے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں تو ضروری ہوا کہ مفتی زمانہ کی حالت سے بھی واقف ہو، اور اس طرح جب تک معاملات سے واقف نہ ہوگا اور اس کی پیچیدگیوں پر مطلع نہ ہوگا تو صحیح کیوں کر جواب دے گا، یہاں پر محکمہ افتاء کی ضرورت دوسرے طور پر ثابت ہوتی ہے'' ۔[1]

حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''بہرحال ندوۃ العلماء کی نگرانی میں یہ دارالافتاء قائم ہوا، کانپور کے جلسہ خاص منعقد ۱۳۱۵ھ کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال ۵۶۵ استفتاء کے جواب دیئے گئے، جن میں ۷۴ فتوے نہایت مشکل اور پیچیدہ تھے، اس کے علاوہ ۵۳ مسئلوں کی بطور خود تحقیقات کی گئی'' ۔[2]

قاضی و مفتی اور دارالافتاء و دارالقضاء کی ضرورت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب دامت برکاتہم (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) تحریر فرماتے ہیں:

قرآن مجید..... مسلمانوں کی زندگی کا الٰہی دستور ہے جس کی پابندی ہر مسلمان کو کرنی ہے، جو لوگ قرآن مجید اور حدیث رسول کو پڑھ سکتے ہیں، ان کو یہ احکام و ہدایات خود معلوم ہو سکتی ہیں اور جو ایسا نہیں کر سکتے وہ قرآن و حدیث کو پڑھنے اور سمجھنے والوں سے سوال کر سکتے ہیں، اسی کو اصطلاح میں استفتاء اور فتویٰ کہتے ہیں۔

اور اسلامی تعلیم کے ذمہ داروں نے شروع سے اس کا اہتمام کیا کہ قرآن وحدیث کے سمجھنے والوں میں کچھ لوگ اپنے کو اس کام سے خصوصی طور پر وابستہ کریں کہ

---

[1] تاریخ ندوہ ص ۱۳۷ ج ۱ [2] پیام ندوہ ص ۱۳۴

ان سے ضرورت مند لوگ اپنے حالات وواقعات کی صورت میں اللہ اوراس کے رسول کا حکم معلوم کرسکیں، یہ علماء مفتی اور قاضی کے نام سے برابر یہ کام انجام دیتے رہے، اسی کے ذریعہ سے مسلمان اپنے دین حق پرعمل کرنے کی سہولت حاصل کرتے رہے اور خاص طور پراس طرح کے کام کے شعبے دارالافتاء اور دارالقضاء کے نام سے دینی اداروں میں قائم کئے جاتے رہے ہیں جن کے ذریعہ مسلمانوں کی یہ دینی ضرورت پوری ہوتی رہتی ہے۔[1]

ندوۃ العلماء کیسے واعظین اور مبلغین پسند کرتا ہے

(۱۳۲۲ھ میں) ندوۃ العلماء کے ناظم صاحبؒ نے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تحریر فرمایا:

واعظین کی تلاش میں جابجا اپنے دوستوں کو خطوط لکھے اور آخر کو تمام اخباروں میں اس بات کا اعلان کیا کہ:

''مجھ کو واعظین کی ضرورت ہے جو فرقہ اہل سنت وجماعت ومقلدین ائمہ اربعہ میں سے ہوں''۔

مگر افسوس ہے کہ مجھ کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی، اب تک صرف دو واعظ ملے ہیں اوران کو دو ضلعوں میں دورہ کرنے کے لئے بھیج دیا ہے اور دستور العمل بنا کردے دیا ہے کہ اس کے موافق جابجا گاؤں گاؤں پھریں اور مسلمانوں کو نماز روزہ وغیرہ ضروریات دین کی حفاظت کریں، رسوم قبیحہ سے باز رکھیں، علم کا شوق دلائیں، معاملات فاسدہ سے بچنے کی تلقین کریں اور نذرونیاز سے محترز رہیں۔

اگر آپ مجھے مدد دیں اور ایسے لوگ جو خوش بیان متدین اور جفاکش ہوں بتائیں تو میں آپ کی اس توجہ کا بے حد شکرگذار رہوں گا۔[2]

---

[1] فتاویٰ ندوۃ العلماء ص ۱۳۱ ج ۱ [2] امداد الفتاویٰ ص ۲۳۸ ج ۶

باب۳

اجتہاد کا بیان☆

اجتہاد کی ضرورت ہر دور میں ایک مسلمہ حقیقت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اجتہاد کی ضرورت اپنی جگہ پر ہے اس مسئلہ پر کوئی اختلاف نہیں، جو لوگ علوم شریعت میں بصیرت اور اس پر دسترس رکھتے ہیں وہ اس میدان میں اپنا قائدانہ کردار ادا کریں اور اصول فقہ جیسے قیمتی خزانہ سے جس کی کوئی نظیر قوموں اور ملتوں میں نہیں ملتی، احکام ومسائل کے استنباط میں فائدہ اٹھائیں، فقہ کا یہ ذخیرہ عرصہ سے صرف تاریخ بن کر رہ گیا ہے، جس سے ہمیں صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دور کے مجتہدین کس طرح احکام ومسائل کا استنباط کیا کرتے تھے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، لیکن وقت کی گھڑی کو نہ تو اپنی جگہ روکا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کو معطل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کو ماضی کی طرف واپس لوٹایا جاسکتا ہے، جب کہ اسلام ایسی قوموں اور معاشرہ کا دین ہے جو ان مسائل ومشکلات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے بلکہ ان کا سامنا کرتا ہے[1]

تاریخ کے بعض ادوار میں اجتہاد کے معطل ہونے کا خاص سبب

مختلف ادوار، ملکوں اور شہروں میں امت نے اجتہاد کو اختیار کیا اور علماء اس پر گامزن رہے، مذاہب اربعہ کی کتابیں ان مثالوں سے بھری پڑی ہیں، لیکن تاتاری حملہ

---

[1] اجتماعی اجتہاد ص۲۲

☆اس باب کے سارے مضامین حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے تحریر کردہ ہیں۔

کے بعد مذاہب اربعہ (جدید مفہوم میں ہم اس کو علمی اکیڈمی یا ادارے سے تعبیر کر سکتے ہیں) پر کسی قدر پژمردگی اور کمزوری چھا گئی، اس لئے کہ تاتاری حملے نے خود اعتمادی اور ذہانت کے سوتوں کو خشک کر دیا تھا، جو قومیں تاتاری قوموں کے ماتحت ہوئیں ان کے اندر مسلح اور غیر مسلح لشکر کے مقابلہ کی جرأت ختم ہو کر رہ گئی، چنانچہ دنیا کے مشرقی حصے کے علماء نے اس خاص وقفہ میں اجتہاد کی سرگرمیوں پر کسی حد تک پابندی لگانے ہی میں عافیت سمجھی، اس لئے کہ انہیں اندیشہ ہونے لگا کہ اگر اجتہاد کی اجازت دیدی گئی تو حکّام اور والیانِ سلطنت کے سیاسی اور انفرادی مصالح کا اس میں خیال رکھا جائے گا اور اس سے نفع کے بجائے نقصان زیادہ ہوگا، اس کا بھی امکان ہے کہ دین میں تحریف کا سبب یہ انفرادی اجتہاد بن جائے یا اس امت کی رفتار میں انحراف اور کجی پیدا ہو جائے، اگرچہ ان علماء کا یہ خیال وقتی طور پر پابندی کے لئے تھا جس کی بنیاد فقہ کے اس اصول پر رکھی گئی تھی کہ ''جلب منفعت پر دفع ضرر کو ترجیح دی جانی چاہئے''۔[1]

جدید مسائل میں اجتہاد کرنا ہر زمانہ میں فرض کفایہ ہے

(حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ) مقدمۂ مصفیٰ میں لکھتے ہیں:

''اجتہاد ہر زمانہ میں فرض بالکفایہ ہے، یہاں اجتہاد سے مراد اجتہاد مستقل نہیں، جیسا کہ امام شافعیؒ کا اجتہاد تھا، جو جرح و تعدیل، زبان دانی وغیرہ میں کسی دوسرے کے محتاج نہ تھے اور اسی طرح اپنی مجتہدانہ درایت میں (اپنے پورے اقسام کے ساتھ) وہ دوسرے کے تابع نہ تھے، مقصود اجتہاد منتسب ہے، اور وہ نام ہے احکام شرعی کو ان کے تفصیلی ادلہ کے ذریعہ جاننے کا، اور مجتہدین کے طریقہ پر تفریع مسائل اور ترتیب احکام کا، خواہ وہ کسی صاحب مذہب کی رہنمائی سے ہو۔

[1] اجتماعی اجتہاد ص ۲۲

اور ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اجتہاد اس زمانہ میں فرض ہے (اور یہ محققین اہل علم کا اجماعی مسئلہ ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل کثیر الوقوع ہیں جن کا حصر ممکن نہیں، اور ان کے بارے میں اللہ کے حکم کا جاننا واجب ہے، اور جو تحریر و تدوین میں آچکا ہے وہ ناکافی ہے"۔[1]

اجتہادی سلسلہ کو باقی رکھنے کی ضرورت

ردالمختار اور فتاویٰ تاتارخانیہ کا نمونہ

کوئی دین، کوئی امت، کوئی تمدن اور کوئی نظام زندگی محض ماضی کی کاوشوں اور کمالات اور تاریخی وعلمی سرمایہ پر زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ زمانہ کے نئے نئے مسائل ومشکلات سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے، اس کے لئے ہر عہد اور ہر قطعہ زمین پر اگر اجتہاد مطلق نہیں تو کم سے کم قیاس واستنباط، فہم عمیق، کتاب وسنت پر گہری نظر، اصول فقہ وآثار شریعت سے گہری واقفیت اور ان سے فائدہ اٹھانے اور روشنی حاصل کرنے کی صلاحیت کی ضرورت ہے، اور علمائے پیشیں نے ہر دور اور ہر ملک وماحول میں اس سے کام لیا ہے، بے شک حملہ تتار کے بعد بعض مصالح کی بنا پر اور بعض اندیشوں کے پیش نظر "اجتہاد" میں احتیاط برتی گئی، کہ اس سے غیر اسلامی یا غیر دینی اقتدار کی تائید اور بعض مفاسد کا اندیشہ تھا، لیکن جلد وقت کے تقاضوں، اور بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر نئے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں علمائے وقت نے رہنمائی کا فرض انجام دیا، جس کا نمونہ علامہ شامی کی "ردالمختار" فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ عالمگیری کے مجموعے ہیں۔

لیکن تمدن، صنعت وتجارت، نفع وانتفاع، درآمد وبرآمد، یہاں تک کہ طبی

[1] (مقدمہ مصفیٰ (فارسی) ص۱۲ مطبوعہ دہلی، تاریخ دعوت وعزیمت ص۲۱۳ ج۵ تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص۵۹)

ترقیات وتجربات کے رواں دواں قافلے کو روکا نہیں جاسکتا، پھر مغربی تمدن اور مغربی اقتدار، اقتصادی منافع کی روزافزوں اہمیت نے نئے نئے مسائل پیدا کردیئے، جو اس سے پہلے علمائے پیشیں کے خواب وخیال میں نہ تھے، اس لئے ضرورت تھی کہ ان مسائل وضروریات اور حقائق کو سامنے رکھ کر شرعی اصولوں، کتاب وسنت کی رہنمائی اور فقہ کے ذخیرہ سے (جس میں عرف یا مصالح مرسلہ کو بھی خاص مقام دیا گیا ہے) نئی نسل کی رہنمائی کا فرض انجام دیا جائے۔[1]

ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت اور علوم شرعیہ کے ماہرین کی ذمہ داری

بلاشبہ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے اور اس دین کی ضروریات میں سے ہے جو زندگی کو آگے بڑھاتا اور اس کی قیادت کرتا ہے، یقیناً تہذیب، صنعت اور تجارت اس حد تک ترقی کرچکی ہیں کہ اندازہ کرنا مشکل ہے، نئے اسلوب پیدا ہوچکے ہیں، معاہدات اور تجارتی امور ایسے فقہی حکم کا مطالبہ کررہے ہیں جن کی بنیاد اسلامی شریعت کی روشنی میں اسلامی اصولوں اور اصول فقہ پر قائم ہو۔

درحقیقت شرعی مسائل اور عصری ایجادات کی موجودگی میں اجتہاد کی ضرورت روز روشن کی طرح عیاں ہے اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔

یہ شرعی علوم کے ماہرین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس میدان میں اپنا قائدانہ اور اساسی کردار ادا کریں اور اس قیمتی سرمایہ سے استفادہ کریں جو اصول فقہ کے نام سے موسوم ہے جس کی نظیر احکام ومسائل کے استنباط کے میدان میں دوسری کوئی قوم پیش نہیں کرسکتی، یہ واضح حقیقت ہے کہ زمانہ کی دوڑ کو نہ روکا جاسکتا ہے، نہ وہ معطل کیا جاسکتا

[1] تدوین فقہ ص ۶۲

اور نہ ہی ماضی کی طرف لوٹایا جاسکتا ہے، جبکہ اسلام آج اقوام اور معاشروں کا دین ہے جنہیں یہ مسائل درپیش ہیں اور جنہیں ان کا ہر روز سامنا ہوتا ہے۔[1]

اجتہاد کیسے کیا جائے؟

اب اگر اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہی ضروری ہے تو ضرور کھولا جائے لیکن اصول فقہ کی کتابوں میں اس کے لئے جو شرائط بیان کی گئی ہیں ان کا لحاظ ضروری ہے، بہتر تو یہ ہے کہ انفرادی طور پر اجتہاد کے بجائے اجتماعی طور پر اجتہاد کیا جائے، وہ اس طرح کہ شریعت کے ماہرین کی ایک اکیڈمی ہو جس میں کسی مسئلہ پر طویل غور وفکر، بحث ومباحثہ اور تبادلہ آراء اور قرآن وسنت اور فقہ واصول فقہ کے پورے ذخیرے کے بھرپور جائزے کے بعد فیصلہ کیا جائے تاکہ اس میں کسی سازش یا کسی سیاسی قوت یا استبدادی حکومت کا عکس نہ پڑنے پائے۔[2]

اجتماعی اجتہاد

اب اس دروازے کا کھولنا لازم ہو چکا لیکن انہیں شرائط کے ساتھ یہ دروازہ کھل سکتا ہے جو اصول فقہ کی کتب میں مذکور ہیں اور مستحسن امر یہ ہے کہ (کسی خاص ضرورت کے علاوہ) اجتہاد انفرادی نہ ہو اور یہ جماعتی اور علمی اداروں کا کام ہوتا کہ ماہرین کے ساتھ تبادلہ افکار گہرا غور وخوض، کتاب وسنت کی روشنی میں مسئلہ کی چھان پھٹک ہو، تاکہ فقہ اور اصول فقہ کے گرانقدر سرمایہ سے مکمل استفادہ کیا جاسکے اور اس میں سازشیں اور دسیسہ کاریاں داخل نہ ہوں اور کسی سیاسی طاقت یا خود مختار حکومت کو رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔[3]

---

[1] اجتہاد اور فقہی مذہب کا ارتقاء، خطبات علی میاں ص ۳۵۶، ۳۵۷ ج ۶

[2] اجتماعی اجتہاد ص ۲۳ [3] خطبات علی میاں ص ۳۵۸ ج ۶

خدا کے واسطے ایسے اجتہاد کا دروازہ نہ کھولئے!

بعض مبلغین کی باتوں سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ جدید تہذیب یافتہ طبقے، یونیورسٹی کے پرجوش طلبہ اور اسلامی ممالک کے بعض حکمرانوں کو اجتہاد کی ضرورت ہے، ہر مسئلہ میں مطلق اجتہاد کی دعوت اور بوسیدگی کے باوجود مغربی اقدار اور عصری طریقے اپنانا گویا ایسا ہے کہ زمانہ اس طرح چل رہا ہے جیسے پہلے دن اسلام آیا تھا ،انسانی معاشرہ پیچھے کی طرف الٹی چال چل پڑا ہے اور فقہاء اور مجتہدین نے ماضی میں جو کچھ کیا تھا وہ سب کچھ ضائع ہو گیا، ان کی آراء اور حاصلِ مطالعہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی، کیونکہ اس دور کی طبیعت اور حقیقی زندگی سے اسے کوئی موافقت نہیں رہی، یہ ایسا نقطۂ نظر ہے جو سطحیت لاپرواہی، اور اس پروپیگنڈے کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا نتیجہ ہے، وقت حاضر کا ادب جس پروپیگنڈے کے ذریعے اس کی ترقی اور زمانے کے حالات کی ایسی تصویر پیش کرتا ہے جو نوجوانوں کو حیرت میں ڈال دیتی ہے وہ سوچتے ہیں کہ گویا وہ آج ہی پیدا ہوئے ہیں اور دنیا میں کوئی بھی چیز ایسی موجود نہیں جو کل کی اشیاء سے مشابہت رکھتی ہو، یہ حقیقت سے زیادہ تخیلی تصویر ہے اور صورت حال کو منطقی اور حقیقی انداز سے بیان کرنے کے بجائے جذباتی انداز میں مبالغہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے[1]

اجتہاد کے نام پر فتنے کا دروازہ نہ کھولئے!

جدید طبقہ کے لوگ اجتہاد کی دعوت دیتے ہیں خصوصاً عصری دانشگاہوں کے پرجوش جذباتی نوجوان اور اسلامی ملکوں کے بعض سربراہ ،ان کی اس دعوت سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ہر مسئلہ میں اجتہاد مطلق کی دعوت دے رہے ہیں، وہ مغربی اقدار

[1] خطبات علی میاں ص۳۵۸ ج۶

وقیم اورعصری پیمانوں کو جوں کا توں لینے پر مصر ہیں، گویا کہ زمانہ پہلے اسلامی دور کی طرح ہوگیا ہے جب اسلام نیا نیا آیا تھا اور انسانی سوسائٹی مکمل طور پر انقلاب سے دوچار ہوگئی تھی اور گذشتہ دور میں فقہاء اور مجتہدین نے جو نتائج نکالے تھے اور علم وتحقیق اور مطالعہ کے بعد جو اصول انہوں نے بنائے تھے وہ اپنی قیمت اور اہمیت کھو چکے ہیں اور اب موجودہ زمانہ اور قوموں کے مزاج سے وہ ہم آہنگ نہیں، اس میں زیادہ تر سطحیت ،لاپروائی، نام نہاد ترقی پسندانہ ادب کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے کا اثر ہے، اس ادب نے نوجوانوں کے سامنے زمانہ کی ایسی تصویر کھینچی ہے جیسے یہ دور بالکل نیا ہے اور گذشتہ زمانہ سے یہ دور کسی طرح بھی ہم آہنگ نہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہ تصویر تخیلات پر مبنی ہے اور اس میں ذرہ برابر حقیقت نہیں ،واقعیت اور منطقیت سے زیادہ اس میں جذباتیت سے کام لیا گیا ہے۔[1]

اجتہاد کے نام سے ایسی اندھی تقلید کی راہ ہموار نہ کیجئے

اجتہاد کی ضرورت کے بارے میں آج کل بہت سی باتیں ہورہی ہیں، یہاں تک کہ یہ ترقی اور جدت کے لئے نعرۂ علامت بن گیا ہے۔

لیکن جو لوگ شرعی مسائل اور آج کی ایجادات کے بارے میں صدائے اجتہاد بلند کررہے ہیں ،یعنی عالمِ اسلام کے فکری قائدین ،سیاسی اور انتظامی رہنما، عرب ممالک میں بیرونی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل نوجوان اور اپنے ممالک کی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل نوجوان، ان کی عربی تہذیب کے لئے ایسی صلاحیت، ذہانت اور قوت اور ارادہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی، جس میں بہادری، دانائی شامل ہو، تاکہ وہ عربی تہذیب کے طریقوں اس کی خامیوں اور خوبیوں اور معاملات میں خام مال کی

[1] اجتماعی اجتہاد ص۲۴

طرح اپنے راستے الگ کریں جن سے ایسی ثقافت وجود میں آئے جو دینی تعلیمات عصری ضرورتوں اور مشرقی مسلم اقوام کی طبیعت کے مطابق ہو جس سے وہ ایسا نظام ترتیب دیں جو اس امت کی بعثت کے مقاصد کی تکمیل کرے اور ان اقوام کو راہ دکھائے جو مادیت کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہیں، جب مغرب سے کوئی چیز لیں تو پہلے اس گرد وغبار کو صاف کرلیں جو تاریخ یورپ کے دور تاریک میں اس پر لگ چکی ہو، حالت یہ ہے کہ آج ہم یورپ سے جو کچھ لے رہے ہیں وہ ایک اعصابی کشمکش اور نفسیاتی الجھن کی کیفیت میں لے رہے ہیں، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ یورپ کے ان علوم کی آج ہمیں سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے، انہوں نے اپنے اختصاصی میدانوں میں ایسا کردار ادانہیں کیا جو دونوں نظاموں کو مربوط کرتا اور تربیتی نظام میں آزاد اسلامی رنگ بھر دیتا، یہی عمل اجتہاد کے مشابہ ہے جوان کے فکری اور قائدانہ کردار کی تکمیل کرتا، لیکن یہ قدیم (زمانہ) سے انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے قول سے جلد ہی دست بردار ہو جاتی ہے اور دوسروں سے مطالبہ شروع کر دیتی ہے کہ وہ اس کا فریضہ ادا کریں۔[1]

اجتہاد، قضاوافتاء بلندترین منصب اور نازک ترین عمل

اور اس کے چند اہم شرائط

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

دینی مناصب وفرائض اگرچہ سب اہم نازک اور عظیم ذمہ داری کے کام ہیں اور ان کے لئے بڑی صلاحیتوں، علم وباخبری اور احساس ذمہ داری کی ضرورت ہے۔....

لیکن ان فرائض اور دینی مناصب میں سب سے زیادہ وسیع ودقیق، نازک اور

---

[1] خطبات علی میاں ص ۳۵۶ ج ۶

پیچیدہ کام جس کے لئے صرف علم وذہانت ، مطالعہ کی وسعت ،صلاح وتقویٰ ،امانت ودیانت اور ذکاوت وذہانت ہی کی ضرورت نہیں ،اس موضوع سے گہری مناسبت ، رسوخ فی العلم ورسوخ فی الدین، کتاب وسنت ،فقہ واصول فقہ میں اختصاصی مہارت ہی کی ضرورت نہیں بلکہ طبع سلیم ،فہم مستقیم ،فطرت صحیحہ جس کو حقائق تک بلا کدوکاوش رسائی ہوجاتی ہواور جس میں اعتدال وتوازن کا مادہ ودیعت کیا گیا ہو۔

پھر قدیم وجدید علمی ذخیرہ پر اطلاع وواقفیت کے ساتھ اہل زمانہ کی طبائع سے بھی واقفیت ''عرف'' سے بھی باخبری جس کو فقہاء نے بڑی اہمیت دی ہے اور اس کا لحاظ کیا ہے ''تیسیر'' کے حدود کی نگہداشت ،اور ''عموم بلویٰ'' کی صحیح تعریف ،اوراس کے لحاظ کے فقہی شرائط سے آگاہی ،اپنے زمانہ کے معاملات وعقود ،تعلقات کی نوعیت ،نوایجاد چیزوں کی شرعی حیثیت ،تغیراتِ زمانہ اوران کے شرعی احکام سے واقفیت ،اوران کے لحاظ کے حدود سے آگاہی ،اور سب سے بڑھ کر مقاصد شریعت ،اور حکمت تشریع کا علم بھی ضروری ہے ، جو استنباطِ مسائل کی روح ، اور قیاس واستحسان اور مصالح مرسلہ کی نگہبان اور پاسبان ہے۔

یہ علم جس کے لئے اتنی صفات وشرائط درکار ہیں اور جس کا کام اتنا نازک اور پیچیدہ ہے علم قضاوافتاء ہے۔[1]

جدید مسائل میں اجتہاد کے اہل

اس نازک اوراہم کام کے لئے جس میں ذراسی غلطی یا بیجا رعایت وآزادی سے بڑے دینی نقصان پہنچنے کا ہر وقت اندیشہ رہتا ہے،اور جواز واباحت کے حدود سے نکل کر معصیت اور حرمت تک کے ارتکاب کا خطرہ ہے ،دینِ قوی ،علمِ راسخ ،نظر عمیق

[1] پیش لفظ فتاویٰ مظاہر علوم المعروف بہ فتاویٰ خلیلیہ ص۳ ج۱

اوراحتیاط بلیغ کی ضرورت تھی، نیز اس کی بھی کہ علوم شرع اور فقہ واصول فقہ سے سطحی اور ذیلی واقفیت نہ ہو، اوران علوم میں مفتی اور مجیب اور محقق کا درجہ متطفل (طفیلی) کا نہ ہو، بلکہ اس نے باقاعدہ ماہرین فن سے اس کی تعلیم پائی ہو، اور تعلیم وافتاء کے ماحول میں معتد بہ وقت گذارا ہو، پھر وہ ''چلوتم ادھر کو، ہوا ہو جدھر کی'' کی تقلید کے عیب سے پاک ہو وہ کتاب وسنت، فقہ واصول فقہ کی روشنی میں اوران کی دی ہوئی گنجائشوں کے مطابق صحیح اور بے لاگ فیصلہ کرے اوراس کوامکانی حد تک عالمانہ ومحققانہ انداز میں اس طرح پیش کرے کہ اس سے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ اور حقیقت پسند افراد کی بھی نہ صرف تشفی ہو بلکہ وہ شریعت کی وسعت وابدیت کا قائل ہو جائے۔[1]

ہندو پاک کے چند فقہائے مجتہدین

غالبًا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ برصغیر کے علماء کا کام عرب وعجم کے کسی خطہ کے علماء سے کم نہیں بلکہ بعض اعتبارات سے شاید کچھ نمایاں ہی ہوگا، ایسے علماء اور ان کی تصنیفات کی فہرست بہت طویل ہے، جس کے لئے ایک مقالہ تو کیا پوری کتاب بھی ناکافی ہوگی، اس لئے یہاں چند کا ہی تذکرہ کیا جارہا ہے:

حضرت مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلیؒ

(۱) مولانا عبدالحی فرنگی محلی (م۱۳۰۴ھ) جونہایت کم عمر (صرف ۳۹) سال پانے کے باوجود، مختلف علمی، دینی، تاریخی موضوعات پر بالخصوص حدیث وفقہ پر، اتنی کثیر اور قیمتی کتابیں یادگار چھوڑ گئے ہیں جن کی نظیر عالم اسلام میں بھی ملنا مشکل ہے، ان میں سعایہ اور حاشیہ ہدایہ کوممتاز مقام حاصل ہے، علاوہ ازیں مولانا مرحوم کا ''مجموعہ

[1] تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص۶۳

فتاویٰ'' جو تین جلدوں میں سینکڑوں بلکہ ہزار سے زیادہ فقہی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے، اور عصر حاضر کے بہت سے تازہ اور زندہ مسائل ومشکلات کے عالمانہ ومحققانہ حل کا بیش قیمت ذخیرہ ہے، خاصہ کی چیز ہے، جس کی قدر و قیمت کم ہونے کے بجائے برابر بڑھ رہی ہے۔

شارح ابوداؤد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ

ہمارے اس عہد میں جن چیدہ اور برگزیدہ علماء کو اس دولت علم وحکمت دین سے بہرہ وافر ملا، جس کو حدیث صحیح میں **من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین** کے عمیق وجامع الفاظ سے ادا کیا گیا ہے، ان میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ خاص مقام رکھتے ہیں، بہت سے اسباب وامتیازات کی بناء پر جن کی تفصیل حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی مرحوم کی کتاب ''تذکرۃ الخلیل'' اور عزیز گرامی مولوی سید محمد ثانی مرحوم کی کتاب ''حیات خلیل'' میں بیان کئے گئے ہیں، حضرتؒ کو فقہ میں وہ مقام حاصل تھا جس کو ''فقہ النفس'' اور اس کے حامل ومتصف کو ''فقیہ النفس'' کے لفظ سے ہماری قدیم کتابوں میں یاد کیا گیا ہے، اوپر جن نازک شرائط اور اعلیٰ صفات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ہمارے علم وواقفیت کی حد تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ میں پائی جاتی تھیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ)، مولانا موصوف کے علمی وفقہی کارناموں کے تفصیلی بیان کے لئے تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، مشہور ہے کہ مولانا کی چھوٹی بڑی تصانیف تقریباً ایک ہزار ہیں جن میں تفسیر، تصوف، فقہ، شرح حدیث اور حکمتِ اسلام جیسے موضوعات پر سیر حاصل بحثیں ملتی ہیں، لیکن یہاں

ان کی صرف فقہی خدمات کا مختصر تذکرہ کرنا ہی اس وقت پیش نظر ہے۔

مولانا کی مقبول عام کتاب ''بہشتی زیور'' کے علاوہ ان کے فتاویٰ (مسمی بہ امداد الفتاویٰ) کا سات جلدوں پر مشتمل عباداتی ،تمدنی ،معاشرتی ،معاملاتی وغیرہ سوالات کے جوابات کا بیش قیمت اور عظیم ذخیرہ ہے،ایک خاص بات یہ ہے کہ عصر حاضر کے بہت سے پیچیدہ مسائل کا ان میں نہ صرف حل پیش کیا گیا ہے، بلکہ ایسی اصولی ہدایات ملتی ہیں جن سے آئندہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لئے ،راہنمائی کا پورا سامان ہے، چنانچہ کسی بھی نئے پیش آمدہ مسئلہ کا حل دریافت کرنے کے لئے آج کے علماء وفقہاء ان کی تحقیقات وہدایات سے استفادہ کئے بغیر ایک قدم آگے بڑھانا مشکل سمجھتے ہیں۔

مولانا کی زمانہ شناسی اور حساس وفکر مند طبیعت کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' ہے،جس میں دنیا بھر کے معتمد علماء کی آراء جمع کر کے آج کی مظلوم منکوحہ عورت کی متعدد دشواریوں کا آسان حل پیش کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ

مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (م ۱۳۷۲ھ)،مفتی صاحب کی نظر کی گیرائی وگہرائی، فتویٰ نویسی میں نپی تلی عبارت اور فقیہانہ انداز،زمانہ سے باخبری اور مسلمانوں کی مشکلات اور دشواریوں کے حل میں ان کی فکرمندی اور سہولت پیدا کرنے کی کوشش،یہ وہ خصوصیات ہیں جن میں مفتی صاحب کا امتیاز اکابر واصاغر نیز معاصرین سبھی نے تسلیم کیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندیؒ

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی (م ۱۳۴۷ھ)، مولانا مرحوم تقریباً

نصف صدی تک دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی رہے اوران کے قلم سے ہزارہا فتاویٰ صادر ہوئے،جن میں معتدبہ تعداد عصر حاضر کے پیدا کردہ مسائل کے جوابات پر مشتمل ہے،ان کے فتاویٰ کی دارالعلوم دیوبند کے اہتمام سے اب تک بارہ ضخیم جلدیں شائع ہوچکی ہیں،جن میں تقریباً نصف تعداد ہی آسکی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ عثمانی دیوبندی

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم

میں اس دور کے جن علماء کے رسوخ فی العلم اور تبحّر کا معتقد وقائل ہوں ان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا خاص مقام ہے،علمی تبحر،فقہ وفتاویٰ پر وسیع اور گہری نظر،قوت تدریس یہ سب چیزیں بھی قابل قدر اور قابل احترام اوصاف وکمالات ہیں،لیکن ایک دوسری چیز ہے جس کی بنا پر کسی فقیہ ومفتی کو''فقیہ النفس'' کہتے ہیں یہ امتیاز علماء زمانہ میں حضرت مفتی صاحب کو حاصل تھا۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی (م ۱۳۹۶ھ)،مفتی صاحب موصوف حکیم الامت کے ہی ساختہ پرداختہ اور ان کے گویا ثنی یا مثیل تھے،ان کے مجموعہ فتاویٰ (امداد المفتین) کے علاوہ''جواہر الفقہ'' کی پانچ جلدیں ان کی ژرف نگاہی،تفقہ،عالم سے باخبری اور مسلمانوں کے مسائل سے نہ صرف واقفیت بلکہ ان کے حل کی فکرمندی کا ثبوت ہیں،عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اور گتھیوں کے سلجھانے اوران کے تحقیقی وفقہی وعلمی جوابات آسان زبان اور سہل اسلوب میں پیش کرنے میں مفتی صاحب کو امتیاز حاصل تھا،یہی خصوصیات ان کے فرزند ارجمند مولانا محمد تقی عثانی میں بھی منتقل ہوئی معلوم ہوتی ہیں،حفظہ اللہ ورعاہ)۔[۱]

[۱] تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص ۱۱۰ تا ۱۱۲،خطبات مفکر اسلام ص ۲۵۵ ج ۳

جدید مسائل کو حل کرنے کے لئے ایسے متبحر علماء وفقہا کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے، لکلّ فنٍّ رجال

ہر ملک میں بلکہ ہر شہر میں ایسے متبحر آدمی (علمائے محققین) ہونے چاہئے جو وقت پر مدد کر سکے، یہ نہ کرسکیں تو کم از کم کسی عالم (محقق) کا حوالہ دے سکیں، میں خود یہ کرتا رہتا ہوں، کوئی اہم مسئلہ پوچھنے آتا ہے تو میں کہہ دیتا ہوں کہ ہمارے مدرسے میں مفتی موجود ہیں ان سے پوچھو''لکلّ فنٍّ رجال''ہر فن کا شخص الگ الگ ہے۔[1]

علامہ ابن حزمؒ کے متعلق امام ابن تیمیہؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ انہوں نے ''سعی'' میں رمل واضطباع کو لکھ دیا (حالانکہ یہ تو صرف طواف میں ہوتا ہے) وہ بہت ادب کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان کو حج کرنے کا موقع نہیں ملا تو ان کو طواف اور سعی میں التباس ہو گیا۔[2]

سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے علماء ملک میں رہیں کہ وہ نئے مسائل سمجھ سکیں، اور نئے مسائل کے حل پیش کرسکیں، اور اس میں وہ شریعت کی مدد سے، کتاب وسنت کی مدد سے، اصول فقہ اور فقہ کی مدد سے رہنمائی کرسکیں، اس لئے جہاں اور چیزوں کی ضرورت ہے وہاں ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے متبحر علماء پیدا ہوں جیسے مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور دوسرے علماء جن کے نام مجھے اس وقت یاد نہیں۔

زمانہ اتنا ترقی کر گیا ہے اور اب زمانہ کے فتنے اتنے سنگین ہیں کہ حقیقۃً ضرورت تھی امام غزالیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی لیکن اگر

[1] خطبات علی میاں ۱۹ ج ۱ [2] خطبات علی میاں ص ۱۹ ج ۱

حجۃ الاسلام امام غزالی ،شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ اس وقت نہ پیدا ہوں تو کم از کم اس درجہ کے لوگ پیدا ہوں جن کے نام میں نے لئے ،لہٰذا مدارس کا یہ فرض ہے کہ وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں کہ وہ تبحر پیدا ہو وہ وسعت نظر اور عمق اور نظر کی گہرائی اور گیرائی پیدا ہو اور وہ کتاب وسنت کی روح سے واقفیت پیدا ہو، مقاصدِ شریعت سے آگاہی پیدا ہو، بدلے ہوئے زمانہ میں امت کی رہنمائی کرسکیں۔[1]

اس لئے لازمی ہے کہ ضروری احکام، ان کی جزئیات اور فقہی معلومات بآسانی میسر ہوں، اور ایسے علماء کرام بھی موجود ہوں جو شرعی علوم میں مہارت رکھتے اور رہنمائی کے لئے مستعد ہوں۔[2]

اظہار مسرت کے ساتھ اہل علم اور اہل تحقیق سے چند شکایتیں

(۱) اسلامی علوم ، اسلامی فقہ اور عصر حاضر کے اسلامی مسائل کی طرف علمی مدارس ومراکز کے خصوصی توجہ مبذول کرنے پر اپنے رشک ومسرت کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام میں قسیسیت اور مذہبی جاگیرداری کی گنجائش بھی نہیں ہے ....اس کے ساتھ ساتھ ایسے علماء کی ایسی جماعت ہمیشہ موجود رہی ہے ،انہیں اپنے فن میں پوری مہارت وبصیرت اور کامل درجہ کا اختصاص حاصل رہا ہے،ضرورت ہے کہ علماء کی نئی نسل صبر واستقلال اور پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ بحث وتحقیق میں لگے۔

(۲) اس دور کے علماء اور تعلیم یافتہ افراد میں محنت اور جانفشانی کی روح کمزور پڑ گئی جس کی وجہ سے علم کا شوق بھی کم ہو گیا اور اس کے ساتھ جد وجہد کی قدرت کا چشمہ خشک ہو گیا، میرا اشارہ کسی خاص مدرسے یا علمی مرکز کی طرف نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عام

[1] خطبات علی میاں ص۹۱ ج ۱ [2] اجتہاد اور فقہی مذہب کا ارتقاء، خطبات علی میاں ص ۳۵۰ ج ۶

بات ہے جسے تقریباہر جگہ محسوس کیا جاسکتا ہے، حصولِ علم وکمال کے لئے وہ مکمل یکسوئی اور جان توڑ کوشش جو ماضی کے علماء کا طرۂ امتیاز تھا، دور حاضر میں اس کا کوئی وجود باقی نہیں رہا، ماضی میں ایک تنہا عالم متعدد اکیڈمیوں کا کام انجام دیتا تھا، اب صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ بڑی بڑی اکیڈمیاں اور علمی وتحقیقی ادارے قائم ہیں، لیکن اس کے باوجود نتائج اور کارکردگی تشفی بخش نہیں ہے اور کوئی اہم اور نئی تحقیق کم ہی سامنے آتی ہے۔ اس وقت ہمیں شدید ضرورت ہے کہ ثقافتی معیار بلند ہو، رسوخ فی العلم اور فقہی بصیرت میں ترقی ہو، علم میں ایک طرف محنت ہے، پھر اس کا ثمرہ ہے، پہلے پیاس ہے پھر آسودگی ہے۔

(۳) اس دور کا ایک المیہ یہ ہے کہ اہل علم اپنی محنت کا ثمرہ نقد وصول کرنا چاہتے ہیں اور ان کی زیادہ توجہ شہرت وناموری عہدہ کی ترقی اور زیادہ معاوضہ حاصل کرنے پر مرکوز رہتی ہے اور ان کی طاقت وصلاحیت کا حصہ ان مقاصد کے حصول کی راہ میں صرف ہوتا ہے، گویا مادی منفعت ہی ان کی نگاہ میں اصل معیار ہے۔

(۴) دوسری چیز یہ ہے کہ ثقافتی سرگرمیوں کی طرف نظر اور توجہ سرسری نہیں ہونی چاہئے کہ ہم غور وفکر کے لئے ایک موضوع کا انتخاب کریں، پھر فوراً ہی جگالی کر کے اسے باہر ڈال دیں، جیسا کہ جانور جگالی کیا کرتا ہے، پس ایسا نہ ہو کہ ہمیں نہ موضوع کا زیادہ اہتمام والتزام ہو اور نہ اس سے کوئی گہرا ربط وتعلق ہو کہ جب اس موضوع پر بحث ختم ہو جائے، تو ہم ہاتھ جھاڑ کر ایک ہو جائیں۔[۱]

اہل علم واہل تحقیق کو چند اہم نصیحتیں

تقویٰ وتدیّن کی ضرورت

بحث وتحقیق کے ساتھ مناسب مقدار میں تقویٰ کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ یہ

[۱] اجتہاد اور فقہی بحث وتحقیق ص ۷

مسئلہ اسلامی علوم کا ہے، جس کا دین سے گہرا ربط ہے، لہٰذا ان دینی اصول کو بحث و تحقیق کے سامنے اس طرح پیش نہیں کر سکتے جس طرح کسی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے پیش کیا جاتا ہے، جی ہاں! انصاف کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ ایسا ہو۔

ہماری بحث و تحقیق نقد و اعتراض اور تمسخر و استہزاء سے خالی ہو

اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بحث نقد و اعتراض، استہزاء اور تمسخر اور تحقیر و تذلیل سے خالی ہو جن حضرات کو بحث و تحقیق کی ذمہ داریوں کا شعور اور افکار و نظریات کی تبدیلی کا احساس ہے انہیں چاہئے کہ وہ اپنی آراء اور احکام کو قطعی اور یقینی شکل میں پیش نہ کریں اور اپنے کسی نظریئے کی توجیہ اس انداز میں نہ کریں کہ گویا وہ وہ اس موضوع پر حرف آخر ہو اور مزید غور و فکر کی اس میں مطلق کوئی گنجائش موجود نہ ہو، بلکہ ان کا موقف اور پیش کرنے کا انداز ایسا ہو، جیسے کوئی کسی نتیجے تک پہونچا اور اس وقت ایسا محسوس ہو رہا ہو کہ وہ صحیح ہے۔

غور و فکر اور بحث مباحثے میں میں صبر و حلم سے کام لیں

ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم غور و فکر اور بحث و مباحثے میں صبر و تحمل کا اصول اختیار کریں اور علم اور ان حاملین کا اعتراف کرنا سیکھیں، جنہوں نے اپنی زندگی اور اپنی تمام تر طاقتیں اور صلاحیتیں اس راہ میں صرف کر دی ہیں۔

اپنی رائے اور تحقیق کے اظہار میں عجلت و اصرار نہ کریں

کچھ لوگ اپنی رائے کے اظہار میں بڑی عجلت سے کام لیتے ہیں، پھر فوراً ہی اس سے رجوع بھی کر لیتے ہیں ....اس میں شک نہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری

کرر ہے ہیں، لیکن پھر ان لوگوں کا کیا ہوگا، جو ان کے فتووں کی اتباع کر کے اور غلطی پر عمل کر کے اس دنیا سے چل بسے؟ اور مسئلہ اس وقت زیادہ سنگین ہو جاتا ہے، جب ان آراء کا تعلق دین اور عقیدے سے ہو، لہٰذا ضروری ہے کہ رائے کے اظہار میں صبر کا دامن ہمارے ہاتھ سے نہ چھوٹے، خاص طور پر جب کہ مسئلہ کا تعلق عالمِ دین سے ہو، تو ہمیں چاہئے کہ تھوڑی دیر سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور وفکر کریں اور اس فن کے ماہرین کے سامنے اسے پیش کریں، ان کے فیصلوں کا انتظار کریں، ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہی فتوی کی اشاعت ہو اور اسے منظر عام پر لایا جائے۔

ایسی چیزوں اور ایسی تحقیقات کے اظہار سے پرہیز کریں جو موجبِ انتشار وفتنہ ہوں

یہ دورِ انتشار ہے اور انسان سست وکاہل واقع ہوا ہے، فطری طور پر لاپرواہی کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے، اس زمانہ کی تہذیب، علمی ترقی کی تیز رفتاری اور معیار زندگی میں مسلسل ترقی، یہ وہ چیزیں ہیں، جس نے انسان کو آرام وآسائش کا دلدادہ اور اختلاف وانتشار کا جلد شکار ہو جانے والا بنا دیا ہے، جب یہ صورت حال ہے، تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ایسی چیزوں کے اظہار سے باز رہیں، جو لوگوں میں فکری اضطراب پیدا کر سکتی ہوں یا اس میں اضافے کا سبب بن سکتی ہوں۔[1]

ان علماء محققین کی تصانیف سے خاص طور سے فائدہ اٹھایئے

ہمیں اس عالمی کتب خانے کا وسیع تاریخی جائزہ لینا ہوگا جو اسلام کی طویل تاریخ اور عالم اسلام کی وسیع مساحت پر پھیلی ہوئی ہے، اگر یہ کام پوری امانت ودیانت،

[1] اجتہاد اور فقہی بحث وتحقیق، خطبہ بمناسبت دوسرا فقہی سیمینار نئی دہلی ص ۶، ۷، ۹

صبر وتحمل، اور غیر جانبداری اور انصاف کے ساتھ انجام دیا جائے تو علمی و دینی ذہانت وعبقریت اور قانون سازی کی بے مثال صلاحیت کا اندازہ ہوگا، جو سب کے لئے باعث حیرت وتعجب ہیں اور یہ چیزیں اس اجتہاد اور فقہی بحث وتحقیق کے حق میں بھی مفید ہوگی جس کی ضرورت اس دور اور وسیع اسلامی معاشرے کو ہے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس برصغیر کے اندر ماضی قریب میں افتاء اور فقہی تحقیقات کا جو کام ہوا ہے، اس پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے، اور جہاں تک علمی وفقہی تصنیفات وفتاویٰ کے مجموعوں اور حدیث وفقہ کی بحثوں کا تعلق ہے، تو اس مختصر سے مقالہ میں ان کا نام شمار کرنا بھی مشکل ہے۔

اعلاء السنن، امداد الفتاویٰ، الحیلۃ الناجزۃ، جواہر الفقہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، فتاویٰ رحیمیہ وغیرہ کتب فقہ کی اہمیت

یہاں پر میں فقہ الحدیث پر علامہ ظفر احمد عثانی کی تالیف اعلاء السنن☆ کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کروں گا، جو انہوں نے مربی جلیل حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم پر تالیف کی ہے، یہ عظیم تصنیفی کام اکیس ضخیم جلدوں میں مکمل ہوا ہے۔

اسی طرح معاشرتی وازدواجی زندگی سے متعلق بعض پیچیدہ مسائل کا شرعی وفقہی حل تلاش کرنے میں بھی کچھ مفید اور قابل قدر علمی کاوشیں ہوئی ہیں، مثال کے طور پر مربی کبیر، عالم جلیل حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ''الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزۃ'' اور ''بوادر النوادر'' کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب دیوبندی مفتی اعظم پاکستان کی

لے ☆اس کتاب کا تعارف علامہ سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے آگے آرہا ہے۔

''جواہر الفقہ''[۱] تین جلدوں میں اور ان کی ''احکام القرآن'' ☆ اور شیخ عظیم مولانا عبدالشکور لکھنوی کی ''علم الفقہ'' اور اس کے علاوہ فتاوی کے بہت سے مجموعے ہیں، مثلاً مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کی ''عزیز الفتاویٰ'' بارہ جلدوں میں اور حضرت تھانویؒ کی ''امداد الفتاویٰ'' چھ ضخیم جلدوں میں اور مفتی عبدالرحیم لاجپوری کی ''فتاویٰ رحیمیہ'' چھ جلدوں میں۔[۱]

☆ اس کتاب کا تعارف علامہ سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے آگے آرہا ہے۔

[۱] اجتہاد اور فقہی بحث وتحقیق، خطبہ بمناسبت دوسرا فقہی سیمنار نئی دہلی ص۹ تا ۱۴

جواہر الفقہ مکمل اب سات جلدوں میں پاکستان اور انڈیا (دیوبند) میں عمدہ طباعت سے شائع ہوچکی ہے۔

باب ۴

تقلید کا بیان

گمراہی سے بچنے کے لئے مجتہدین کی طرف رجوع اوران کی تقلید ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ہر دور میں انسان نے غلطی، لغزش اور گمراہی وکج روی سے بچنے کے لئے ایسے اصحابِ اختصاص اور ماہرینِ فن سے رجوع کرنا ضروری سمجھا ہے جو اپنے فن اور موضوع میں خصوصی مہارت اوراس میں تفوق وامتیاز اور مجتہدانہ صلاحیتوں کے حامل ہوں، علوم وفنون و بحث وتحقیق کی قدیم وجدید تاریخ اس طرح کی بکثرت مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔[1]

روشن اور تابناک نا قابل انکار حقیقت

احکام شرعیہ میں کاملین سے رجوع اوران کی تقلید خیر القرون میں

اس سے بھی زیادہ روشن، تابناک اور بدیہی حقیقت یہ ہے کہ دین پر عمل کرنے، نت نئے پیش آنے والے مسائل کے بارہ میں شریعت کے احکام معلوم کرنے کے لئے ایسے اصحابِ اختصاص اور ماہرینِ فن سے رجوع کیا جائے جو اپنے فن پر نہ

[1] کاروان زندگی ج ۷ ص ۱۵

صرف کامل دست گاہ رکھتے ہوں بلکہ ان کی تحقیقات ومعلومات میں گہرائی کے ساتھ گیرائی اور وسعت وتبحر علمی بھی ہو،اس کے ساتھ وہ لوگوں کو دینی مسائل واحکام بتانے میں اجر وثواب کے حریص اور ایمان واحتساب کی روح سے سرشار ہوں ،دیانت کے ساتھ اپنے فرائض اور علمی امانت کو دوسروں تک پہنچانے میں انہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہی کا غیر معمولی شعور اور حساب وکتاب کا خوف ہو۔

اسی بنا پر اسلامی تاریخ کے اولین دور،خلفائے راشدین،صحابہ کرام اور تابعین عظام کے عہد میں فقہی احکام مسائل معلوم کرنے کے لئے ایسے حضرات سے رجوع کرنا عام بات تھی جو علوم دینیہ میں رسوخ وتبحرّ رکھتے تھے ،اس کے ساتھ انفرادی واجتماعی مسائل ومشکلات کے حل کرنے میں ،شریعت کے احکام بتانے اور قرآن وسنت کے مطابق مسلمانوں کی رہنمائی کو وہ حضرات باعث اجر وثواب اور تقرب الٰہی کا ذریعہ تصور کرتے اور اس امانت کے ادائیگی اپنے اوپر ایسی ذمہ داری سمجھتے تھے جس کے بارے میں قیامت کے دن وہ جواب دہ ہوں گے۔[1]

تقلید شخصی عدل وانصاف کی میزان اور تاریخ کی روشنی میں

اسلامی تاریخ کے اولین دور میں کسی خاص اور متعین فقہی مکتبِ فکر یا کسی مخصوص مسلک پر عمل پیرا فرد سے علمی وفقہی معاملات میں رجوع کرنا ضروری نہیں تھا اور نہ اس کا التزام اور کوئی پابندی تھی ، بلکہ سائل کسی شخص سے بھی دینی وفقہی احکام ومسائل معلوم کر لیتا تھا،اس لئے کہ اس دور کی یہی خصوصیت تھی ،پھر ایمان واحتساب کی روح عام طور پر موجود تھی اور صحیح بات معلوم کرنے اور حق تک رسائی کا جذبہ اس عہد کے تمام لوگوں میں پایا جاتا تھا،دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ علمی ماحول عام تھا اور ہر جگہ بحث وتحقیق کے حلقے قائم تھے۔[2]

[1] کاروان زندگی ص ۱۶ ج ۷ [2] کاروان زندگی ص ۱۶ ج ۷

تقلید شخصی کی ابتداء اور اس کے اسباب

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

چوتھی صدی کے بعد سے کچھ تو علماء کے اختلافات اور بحث ومناظرہ کی وجہ سے، کچھ ان کے دینی واخلاقی معیار کے پست ہوجانے کی وجہ سے، کچھ علمی انحطاط اور پست ہمتی اور کم محنتی کی وجہ سے اس کی ضرورت پیش آئی اور اسی میں عافیت وحفاظت سمجھی گئی کہ پیشرو ائمہ مجتہدین اور مذاہب مدونہ کی تقلید اختیار کرلی جائے اور معاصرین کے بجائے متقدمین کے فتوی پر عمل کیا جائے، لیکن عرصہ تک اس میں وہ تعیین والتزام اور تقلید شخصی کی وہ پابندی نہیں پیدا ہوئی تھی جو بعد کی صدیوں میں نظر آتی ہے، رفتہ رفتہ تعیین والتزام اور تقلید شخصی کو اختیار کیا گیا لیکن اس کی حیثیت بھی تشریعی نہیں، بلکہ انتظامی تھی[1]، انتشار اور اتباع ہویٰ سے بچانے کے لئے نیز عملی سہولت کی بنا پر ایک مذہب کی تقلید عملاً رائج ہوگئی اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر اور واقعات کے عین مطابق تھا، خصوصاً تاتاری یورش کے بعد عالم اسلام پر جو عالمگیر فکری انحطاط اور علمی زوال طاری ہوا اور ایسی بلند شخصیتوں کا عام فقدان ہوا جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتی ہوں، اور فرقوں اور فتنوں کی گرم بازاری ہوئی تو اسی میں عافیت سمجھی گئی کہ جن مذاہب کا کتاب وسنت کے مطابق ہونا ثابت ہے اور جو بحث ومباحثہ کے منازل طے کرچکے ہیں اور ان کی تدوین مکمل ہوچکی ہے ان پر عمل کیا جائے، یہ خصوصیات مذاہب اربعہ میں پورے طور پر پائی جاتی تھیں، اس لئے عام طور پر انہی کو اختیار کیا گیا۔[1]

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی اس بات کو سمجھنے کے لئے ضمیمہ میں مندرج ص.... مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی کا مضمون ملاحظہ کیجئے

تقلید شخصی کی حیثیت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی نظر میں

لیکن اس تقلید کی حیثیت بھی صرف یہ تھی کہ تقلید کرنے والا اس امام پر مذہب معین کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا تھا کہ وہ دراصل کتاب وسنت پر عمل کرر ہا ہے اور صاحب شریعت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرر ہا ہے، امام اس کے اور پیغمبر کے درمیان اسی طرح واسطہ ہے جیسے کوئی معاصر استاد، اس کی حیثیت محض ترجمان یا شارح کی ہے ،مطاع یا شارع کی نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے الفاظ ہیں:

لایدین إلا بقوله النبی صلی الله علیه وسلم ولا یعتقد حلالا إلا ماأحله الله ورسوله ولا حراما إلا ماحرمه الله ورسوله لکن لما لم یکن له علم بماقاله النبی صلی الله علیه وسلم ولا بطریق الجمع بین المختلفات من کلامه ولا بطریق الا ستنباط من کلامه اتبع عالما راشدا علیٰ أنه مصیب فیمایقول ویفتی ظاهرا متبع سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم فان خالف مایظنه أقلع من ساعتهٖ من غیر جدال ولا إصرار[1]

(ترجمہ) وہ مقلد صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا پابند ہے، حلال اسی کو سمجھتا ہے جس کو اللہ ورسول حلال کہیں اور حرام اسی کو مانتا ہے جس کو اللہ ورسول حرام فرمائیں لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا اس کو براہ راست علم نہیں اور آپ سے جو مختلف حدیثیں روایت کی جاتی ہیں ان میں تطبیق کی اس کو لیاقت نہیں، اور نہ آپ کے کلام سے مسئلہ ثابت کرنے کا اس کو ملکہ ہے،

[1] حجۃ اللہ البالغہ حصہ اول ص ۱۵۵ مطبوعہ رشیدیہ دہلی باب **حکایة الناس قبل المائة الرابعه وبعدها**

اس لئے اس نے ایک صاحب رشد عالم کی اس بنا پر پیروی کی ہے
کہ وہ ظاہری طور پر صحیح فتویٰ دے رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی سنت کا پیرو ہے، اگر اس کے اس گمان کے خلاف نکلے گا
تو وہ اسی وقت بغیر کسی بحث واصرار کے اس فتویٰ اور مذہب کی
پیروی سے ہٹ جائے گا (اور حدیث پر عمل کرے گا)[1]

تقلید شخصی کی افادیت

تقلید عوام کو نفسانیت اور خودرائی سے بچانے، مسلم معاشرہ کو انتشار اور فوضویت (انارکی) سے محفوظ رکھنے، دینی زندگی میں وحدت و نظم پیدا کرنے اور احکام شریعت پر بسہولت عمل کرنے کا موقع دینے کی ایک انتظامی تدبیر ہے۔[2]

تقلید شخصی کا محرِّک ومرجّح اور اس کی واقعی ضرورت

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

پھر وہ دور آیا جب حالات کے تقاضوں کی رعایت اور محنت ووقت بچانے کے خاطر حق وصواب کی جستجو اور تلاش کے لئے لوگ ایسے فقہی مکتب فکر کی طرف رجوع کرنے لگے جو اس کی بہترین نمائندگی وترجمانی کرے اور جس کے علم وتحقیق، امانت ودیانت اور تقویٰ پر اعتماد واعتبار کیا جا سکے، چنانچہ کسی خاص فقہی مکتب فکر کی طرف رجوع کرنا ایک عام اور قابل تقلید طریقہ بن گیا، جو پسندیدہ بھی تھا اور سہل الحصول بھی، اس علمی رجوع میں نہ تو کوئی برائی تھی اور نہ رجوع کرنے والے کو شرک وبدعت کا مرتکب اور اجماع امت کا مخالف قرار دیا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے عالم اسلام میں چار فقہی

[1] تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص ۲۸ [2] تاریخ دعوت وعزیمت ص۲۰۵ ج ۵

مکاتبِ فکر میں سے کسی ایک کی طرف رجوع کرنا عام بات ہوگئی، اس رجوع نے نہ تو لوگوں کے اندر غلط ردِّعمل پیدا کیا اور نہ اس طرزِ عمل کو کسی بدعت یا گمراہی کا نام دیا گیا، اس لئے کہ اصحابِ اختصاص سے شرعی معاملات میں رجوع اور ان کے بتائے ہوئے احکام پرعمل درآمد میں بنیادی شرط یہ تھی کہ وہ مسائل وتحقیقات کتاب وسنت کے مطابق ہوں کہ یہی دونوں سرچشمۂ ہدایت ہیں ۔[1]

تقلید شخصی فطری امر ہے، ابن تیمیہؒ کا فرمان

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

آگے چل کر وہ فرماتے ہیں کہ کسی خاص مذہب یا فقہ پر کسی شخص کا نشوونما ہونا اور کسی خاص طریقہ کے مطابق عبادات واحکام شریعت کو بجالانا ایک قدرتی امر ہے، اور ایسا قدیم زمانہ سے ہوتا چلا آیا ہے، لیکن مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے کو اصلاً خدا ورسول کا مطیع وفرمانبردار سمجھے، اور اس کے لئے تیار رہے کہ جو کچھ کتاب وسنت سے ثابت ہوجائے گا وہ بلاتردد اس کی پیروی اختیار کرلے گا۔[2]

تقلید شخصی کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہؒ کا منصفانہ کلام

تقلید شخصی کرنے میں لوگوں کی مجبوری اور معذوری ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ غایت انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ایسے شخص کو تقلید کے بارے میں معذور سمجھتے ہیں، جو کسی مذہب فقہی یا معین امام کا

[1] کاروان زندگی ص۱۶ ج۷ [2] تدوین فقہ ۳۶

مقلد تو ضرور ہے، لیکن اس کی نیت محض صاحب شریعت کی پیروی اوراتباع نبوی ہے، لیکن وہ اپنے اندر اس کی اہلیت نہیں پاتا کہ وہ حکم شرعی اور جو چیز کتاب وسنت سے ثابت ہے اس تک براہ راست پہونچ جائے، اس کے کئی اسباب ہوسکتے ہیں، مثلاً وہ عامی شخص ہے یا اس کے پاس براہ راست تحقیق کرنے کے لئے وقت وفرصت نہیں یا ایسے وسائل (علم وتحقیق) حاصل نہیں، جن سے وہ نصوص کا خود پتہ چلائے یا ان سے مسئلہ استنباط کرے[1]

کسی مجتہد کی تقلید قابل اعتراض نہیں

تقلید کی اجازت نہ دینا تکلیف مالا یطاق اور بداہت کا انکار ہے

ظاہر ہے کہ اس طرح کی تقلید پر (جو محض سنت کی پیروی کی ایک عملی شکل ہے) کسی کو اعتراض نہیں ہوسکتا، ایسے عام آدمی کو اجتہاد یا استنباط مسائل کا مکلّف قرار دینا تکلیف مالا یطاق اور بداہت کا انکار ہے، اس طرح کی تقلید یا کسی غیر معین یا معین فقیہ یا مجتہد کی طرف رجوع کا دستور ہر زمانہ میں رہا ہے، یہ رجوع خواہ احیاناً ہو خواہ دائمی، قابل اعتراض نہیں[2]

عام لوگوں کے لئے تقلید ائمہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ایسے مقلد کے بارے میں کیا انصاف کی بات کہتے ہیں، جو درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ارادہ رکھتا ہو لیکن وہ کتاب وسنت سے ثابت شدہ شرعی حکم تک براہ راست رسائی حاصل نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ ایک عام شخص ہے یا وہ دوسرے امور میں مشغول ہے یا (قرآنی) نصوص تک رہنمائی کرنے والے وسائل اسے میسر نہیں یا وہ ان نصوص سے مسائل کا استنباط نہیں کرسکتا۔

[1] تاریخ دعوت وعزیمت ص ۲۰۸ ج ۵، اجتہاد کی حاجت وضرورت ص ۱۵ [2] (تدوین فقہ ص ۳۰

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ابن حزم کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ:

''تقلید حرام ہے، کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ دلیل کے بغیر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور شخص کا قول اختیار کرے''۔

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ:

ابن حزم کے اس قول میں کوئی شبہ نہیں کہ نبی اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے علاوہ کسی اور کا قول دین نہیں ہوتا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حلال کردہ امور کو ہی حلال اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حرام کردہ امور کو ہی حرام جانو۔

لیکن جب کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے ناواقف ہو، احادیث کے اختلافات میں مطابقت پیدا نہ کر پائے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے مسائل کا استنباط کر سکے تو وہ ہدایت یافتہ عالم کی پیروی کرے، کیونکہ وہ عالم جو کچھ کہتا اور جو فتویٰ دیتا ہے اسے معلوم ہے کہ وہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیرو ہے، اگر اس کے خیال سے اختلاف ہو تو اس سے جھگڑا کئے بغیر اور اپنی رائے پر اصرار کئے بغیر بات ختم کردے کیونکہ اس حقیقت کا کوئی کیسے انکار کرسکتا ہے کہ فتویٰ پوچھنا اور فتویٰ دینا مسلمانوں کے یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے رائج رہا ہے۔[1]

کسی متعین امام کی تقلید میں بھی ہم رسول اللہ ﷺ کے متبع ہیں

اگر مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے ہیں تو یہ اس یقین کے ساتھ ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

[1] اجتہاد اور فقہی مذاہب کا ارتقاء، خطبات علی میاں ج۶ ص۳۵۴

سنت کا عالم ہے،اس کا قول یا تو کتاب وسنت کی صریح نص سے ثابت ہوگا یا ان سے مروجہ طریقے سے استنباط کیا گیا ہوگا یا قرائن سے جانا گیا کہ ہماری مطلوبہ مشکل کا حل اس طرح سے ہے اس علم سے ایسے مجتہد کا دل مطمئن ہوگیا اور اس نے ان امور کو جن کے بارے میں کوئی نص نہیں ایسے امور پر قیاس کیا جن کے بارے میں کوئی نص موجود ہے گویا وہ کہتا ہے میں نے گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کبھی یہ علت موجود ہوتو اس کا حکم یوں ہوگا، قیاس کرنے والا اس عموم میں اضافہ کرسکتا ہے اور یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوگا لیکن مجتہد کا طریق کار ظنی ہوگا، اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمان کسی مجتہد کی تقلید کیوں کرتے[1]

تقلید شخصی کی ضرورت آج کے دور میں اور زیادہ ہوگئی

مذہب معین کی تقلید سے آزادی کا نقصان

دینی وشرعی احکام معلوم کرنے میں کسی خاص فقہی مکتب فکر (یعنی مذہب معین اور تقلید شخصی) کی طرف رجوع اور اس کے ائمہ مجتہدین کے اجتہاد اور فقہی بصیرت پر اعتماد واعتبار کرنے کی (جو کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کرتے اور انہیں دونوں سرچشموں سے کسب فیض کرتے ہیں) ضرورت تو اس دور میں اور بھی بڑھ گئی ہے کہ یہ زمانہ خاص طور سے فکری انارکی، ذہنی انتشار، مادی کشش، فتنوں اور جدید چیلنجوں کا ہے، ہر قسم کے اخلاقی قید وبند سے گلو خلاصی وآزادی حاصل کرنے، نفس کی خواہشات وترغیبات اور معاشرہ وزمانہ کے ساتھ دینے کا دور ہے اس کا پورا مشاہدہ ان ملکوں اور معاشروں میں ہورہا ہے جہاں شرعی حدود وقیود اور دینی واخلاقی قدروں سے بے قید آزادی کی زندگی پائی جاتی ہے[2]

[1] حوالہ مذکور ص ۳۵۵ [2] کاروان زندگی ص ۷ا ج ۷

باب ۵

مذاہب اربعہ اور تقلید ائمہ کے خلاف افسوسناک سازش اور خطرناک مہم

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

ادھر کچھ دنوں سے (خاص طور پر ہندوستان میں) مذاہبِ اربعہ (جن میں اپنی اکثریت اور اشاعت کی وجہ سے مذہب حنفی ہی خاص طور پر نشانہ ہے) اور تقلید ائمہ کے خلاف ایک طاقت ور اور عمومی مہم جاری ہے، جو ان مذاہب اور تقلیدِ ائمہ کو بدعت اور تعلیماتِ اسلام کے خلاف بتاتی ہے، یہ مہم کچھ عرصہ سے اتنی تیز ہوگئی ہے کہ گویا وہ ایک بڑی ''ضلالت'' اور ''بدعت'' کے خلاف محاذ آرائی ہے اور اس وقت وہ دین صحیح کی طرف دعوت کے مرادف ہے[1]

کبار علماء کی تشویش اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا حکیمانہ طرز عمل اور دانشمندانہ اقدام

چند دنوں سے مصنف کے پاس ہندوستان کے مختلف اطراف ونواح سے خطوط آئے کہ یہ مہم بہت تیز ہوگئی ہے اور اس سے خود مسلمانوں میں (جو دینی اور تہذیبی بنیاد پر سازشوں، حملوں اور کردارکشی کا نشانہ بنے ہوئے ہیں) ایک انتشار خانہ جنگی کی سی نوبت آرہی ہے۔

---

[1] کاروان زندگی ص۱۲ ج۷

جنوبی ہند، گجرات اور کئی ریاستوں اضلاع اور قصبوں سے ایسے خطوط آئے ہیں، فاضل گرامی مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاج پوری نے بھی اس کی طرف توجہ دلائی، خود تقلید ائمہ اور مذاہب اربعہ کے جواز وصحت پر انہوں نے اردو میں ایک مفصل کتاب لکھی ہے ،جس کا ایک عالم نے عربی میں ترجمہ کروایا اور راقم سے اس پر مقدمہ لکھوایا، ان شکایتی واحتجاجی خطوط کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

راقم نے مناسب سمجھا کہ وہ اس مہم کے خلاف کوئی مخالفانہ ومقابلانہ مہم شروع کرنے کے بجائے (جس سے مسلمانوں میں مزید انتشار پیدا ہونے کا خوف ہے) حضرات علمائے حدیث کو ایک داعیانہ ومخلصانہ اور برادرانہ خط لکھے جس میں ان کو "**جہاد فی غیر جهاد ونفال فی غیر عدو**" سے اجتناب کرنے کی دعوت دے اور مخلصانہ مشورہ دے اور وقت کی نزاکت اور معنوی نسل کشی کی جو مہم اس وقت ملک میں چل رہی ہے اس سے آگاہ کرے، اور یہ مشورہ دے کہ یہ وقت توجہ اور توانائی حقیقی دشمن اور سنگین خطرہ کا مقابلہ کرنے پر صرف کرنے کا ہے۔ اس لئے اس نے احتیاطاً عربی میں ایک مراسلہ ترتیب دیا اور دس ممتاز ونامور سلفی علماء کی خدمت میں بھیجا۔[1]

ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید میں کوئی مضائقہ نہیں

ادارۃ البحوث العلمیہ والافتاء (سعودیہ) کا فتویٰ

اس مراسلہ کے جواب میں سعودی عرب کے سب سے نامور عالم ودینی شخصیت علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز صدر "**ادارة البحوث العلمیه والافتاء**" وسکریٹری "**هيئة كبار العلماء**" کا گرامی نامہ آیا، جس میں انہوں نے لکھا کہ میں آپ

[1] کاروان زندگی ص ۱۳، ۱۸ ج ۷، وقت کا تقاضا کیا ہے خطبات علی میاں ص ۲۳۲ ج ۴

کی اطلاع کے لئے لکھتا ہوں کہ "البحوث العلمیہ و الافتاء" کی مستقل کمیٹی کی طرف سے ۱۷؍شوال ۱۴۰۴ھ میں اور "المجمع الفقھی" رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے ۲۴؍صفر ۱۴۰۸ھ میں یہ فتویٰ صادر ہوا کہ:

"ائمہ مذاہب اربعہ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل (رحمہم اللہ) فضلائے اہل علم، متبعین رسول اور احکام شرعیہ میں اجتہاد و استنباط کے اہل ہیں ان کا مقلد کافر نہیں، اس لئے کہ اگر انسان احکام شرعیہ کی براہ راست معرفت نہیں رکھتا اور وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی کا پیرو ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔"

پھر اس مراسلہ میں ائمہ اربعہ کی واضح الفاظ میں تعریف و اعتراف کیا گیا ہے اور ان کی خدمات و مناقب بیان کئے گئے ہیں۔

(اس مراسلہ پر علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اور متعدد علماء و مفتیوں کے دستخط ہیں، یہ جوابات اور مراسلات مصنفِ کتاب کے پاس محفوظ ہیں، اس عربی مکتوب کا ترجمہ عزیز گرامی مولوی نذرالحفیظ ندوی ازہری استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قلم سے ہے)[1]

ائمہ اربعہ کی تقلید کے خلاف مہم چلا کر انتشار نہ پیدا کیا جائے

رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی متفقہ تجویز اور قرارداد

خود رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے اپنی مجلس "المجمع العلمی الاسلامی" کے ایک اجلاس میں جو ۲۴؍صفر ۱۴۰۸ھ (۱۷؍اکتوبر ۱۹۸۷ء) میں منعقد ہوئی تھی اس مسئلہ اور ضرورت پر روشنی ڈالی اور بالاتفاق یہ طے کیا کہ:

[1] کاروان زندگی ص ۱۴۷ ج ۲ خطبات علی میاں ص ۲۳۳ ج ۴

''معتبر اور معمول بہ مذاہب فقہی اور تقلید ائمہ اربعہ کے خلاف مہم چلا کر عالم اسلام میں انتشار نہ پیدا کیا جائے''

(ملاحظہ ہو **القرار التاسع بشان موضوع الخلاف الفقهی بین المذاهب والتعصب المذهبی من بعض اتباعها**)[1]

سعودی عرب کے نامور علماء کے مکتوب گرامی کے اقتباسات

ائمہ مجتہدین کی تقلید کی ضرورت اس دور میں اور زیادہ بڑھ گئی

دینی وشرعی احکام معلوم کرنے کے لئے کسی خاص فقہی مکتب فکر کی طرف رجوع اور اس کے ائمہ مجتہدین کے اجتہاد اور فقہی بصیرت پر اعتماد واعتبار کرنے کی (جو کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کرتے اور انہیں دونوں سرچشموں سے کسب فیض کرتے ہیں) ضرورت تو اس دور میں اور بھی بڑھ گئی کہ یہ زمانہ خاص طور سے فکری انارکی، ذہنی انتشار، مادی کشش، فتنوں اور جدید چیلنجوں کا ہے ہر قسم کے اخلاقی قید وبند سے گلوخلاصی وآزادی حاصل کرنے نفس کی خواہشات وترغیبات اور معاشرہ وزمانہ کے ساتھ دینے کا دور ہے اس کا پورا مشاہدہ ان ملکوں میں اور معاشروں میں ہو رہا ہے جہاں شرعی حدود وقیود اور دینی واخلاقی قدروں سے بے قید آزادی کی زندگی پائی جاتی ہے۔[2]

سعودی عرب علماء کا افسوس اور اظہارِ رنج وغم

رنج وافسوس کی بات یہ ہے کہ ایسے نازک پُرخطر چیلنجوں اور آزمائشوں کے دور میں برصغیر ہندوستان جیسے ملک میں ائمہ اربعہ کے فقہی مکاتبِ فکر کے خلاف زبردست یورش کا آغاز کر دیا گیا ہے، اس میں خاص طور سے احناف کو نشانہ بنایا جا رہا ہے جن کی

---

[1] حاشیہ کاروان زندگی ص۱۳ ج ۷ [2] خطبات علی میاں ۲۳۵ ج ۴، کاروان زندگی ص ۷ ا ج ۷

اس ملک میں اکثریت ہے، اس طرح کی یورش کا نہ تو یہ وقت ہے اور نہ ہندوستان اس کی مناسب جگہ ہے، اس طرح کی سرگرمیوں سے بجز اختلافات میں اضافہ اور ذہنی انتشار کے کچھ حاصل نہیں، جب کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس وقت شدید ضرورت اتحاد واتفاق کی ہے اس لئے کہ انہیں بت پرستانہ اور مشرکانہ اور لادینی طاقتوں اور مغرب کی ملحدانہ تہذیب وثقافت کے چیلنج کا سامنا ہے۔[1]

مذاہب فقہیہ کے خلاف کوئی تحریک یا جماعت نہ قائم کی جائے اور نہ ان کو ہدف ملامت بنایا جائے

یہ بات بھی ملحوظ ذہنی چاہئے کہ وہ مذاہب فقہیہ جن پر زمانہ قدیم سے عمل چلا آ رہا ہے ،جن میں احکام کے استنباط واستخراج کی بنیاد کتاب وسنت ہے، ان کو ہدف ملامت نہ بنایا جائے، اس لئے کہ یہ بے موقع صلاحیتوں کا ضائع کرنا اور دوست سے برسرِ پیکار ہونا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ تقابلی مطالعہ نہ کیا جائے، اور مذاہب فقہیہ کو احادیث کے سامنے پیش نہ کیا جائے، اور احادیث کی معتمد صحیح کتابوں کو سامنے رکھ کر دلائل وشواہد سے بحث نہ کی جائے، جیسا کہ متقدمین علمائے کبار نے بھی کیا ہے۔

مقصود صرف یہ ہے کہ ان مذاہب فقہیہ کے خلاف جن کی اساس کتاب وسنت پر ہے، اور امت کا بڑا طبقہ اس پر عمل کرتا چلا آ رہا ہے، کوئی ایسی متحمس تحریک یا جماعت قائم نہ کی جائے، یا کوئی سیاسی یا جماعتی نعرہ نہ دیا جائے، اس لئے کہ اس سے ردِّ عمل پیدا ہوگا، اور اس کے مقابلے کے لئے کوئی دوسری تحریک شروع ہو جائے گی، خاص طور سے یہ بات کسی ایسے زمانے میں جب اسلامی وجود، شریعت اسلامی اور اسلامی تشخص ہی کو خطرات درپیش ہوں اور ہر طرف سے یلغار ہو، یہ چیز ہرگز امت کے مفاد میں نہیں ہے۔ (مطالعہ حدیث کے اصول ومبادی ص ۸۳)

احناف کے خلاف جدوجہد کرنے کے بجائے امت میں اصلاح عقائد واعمال کی کوشش کیجئے

احناف کے خلاف جدوجہد اور جنگ شروع کرنے کے بجائے اس کی شدید ضرورت ہے کہ مشرکانہ عقائد واعمال کے خلاف پوری توجہ اور پوری طاقت لگادی جائے کہ ہم ہندوستانی مسلمان جس ماحول میں رہتے ہیں وہ مرکز اسلام سے دور ہونے کی بنا پر شرک وبت پرستی کا قدیم زمانہ سے مرکز رہا ہے، اس ملک کی زبان وثقافت بھی اسلامی زبان وثقافت سے قطعی مختلف ہے، ہندوستانی مسلمان اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے مشرکانہ عقائد واعمال، بدعات وخرافات جاہلی رسم ورواج اور شادی وغمی اور ''پرسنل لا'' میں ان سے متاثر ہیں، اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ نئی نسل کی دینی تعلیم وتربیت پر ساری توجہ اور توانائی صرف کردی جائے کہ مسلمانوں کے اس ملک میں بقاوتحفظ کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ کس حد تک اپنے عقائد، تہذیب، ثقافت، دینی غیرت وحمیت اور اسلامی تشخص وامتیاز کو باقی رکھ سکتے ہیں، یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ملک میں تہذیبی وثقافتی ارتداد کے اثر وقرائن ظاہر ہو چکے ہیں (ہم دینی ارتداد کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کررہے ہیں کہ یہ لفظ دل ودماغ اور سماعت پر گراں ہے) [1-2]

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا دردمندانہ خطاب

اس وقت مسلمان جن خطرات میں گھرے، جن مسائل میں الجھے، جن چیلنجوں سے نبرد آزما اور تاریخ کے جس نازک ترین موڑ سے گزر رہے ہیں وہ ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ اپنی طاقت وتوانائی ان فروعی مسائل میں صرف کریں جو بحث

[1-2] کاروان زندی ص ۱۳، ۱۸ اج ۷، وقت کا تقاضا کیا ہے، خطبات علی میاں ص ۲۳۵ ج ۴

وتحقیق کے مراحل سے گزر چکے ہیں، اور صدیوں سے ان پر عمل ہوتا چلا آرہا ہے، یا کسی فقہی مسلک کی کسی ایسے مسئلہ کی وجہ سے مخالفت کریں جو کوئی بنیادی اہمیت نہیں رکھتا، اس سے امت کی کوئی خدمت نہیں ہوتی، اس لئے ضرورت ہے کہ اپنی توانائی صرف تعمیری کاموں میں صرف کی جائے اور اپنی کوششوں کا محور، اخلاقی بگاڑ، مشرکانہ عقائد، جاہلی رسم ورواج، اور غیر اسلامی بود وباش کی اصلاح کو بنایا جائے۔

توحید اور شریعت اسلامی پر عمل کرنے والوں اور محرمات سے بچنے والوں کو صرف فقہی اختلافات کی بنیاد پر جو ہمیشہ قائم رہا ہے، ہدفِ تنقید بنانا ایسا ہی ہے جیسا بندہ نے اپنے ایک عربی رسالہ میں لکھا ہے ''بے مقصد جہاد بغیر دشمن کے جنگ کے مرادف ہے''۔

اکثریتی فرقہ کے ارادوں اور عزائم سے جو شخص بھی واقف ہے وہ بخوبی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ ہندوستان کو جس پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکمرانی کی اور تہذیبی، ثقافتی، انتظامی اور اقتصادی حیثیت سے اس کو بام عروج پر پہونچایا، ایک دوسرا اندلس (اسپین) بنانے کی پوری تیاری کی جاچکی ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کی فکری، ثقافتی، اجتماعی، تہذیبی اور لسانی اور اس کے بعد دینی واقتصادی نسل کشی کی کوشش کا سلسلہ جاری ہے اور اس کی علامتیں نصاب تعلیم میں تبدیلی، ہندی کی جبری تعلیم، پرسنل لاء میں مداخلت، یکساں سول کوڈ کے نفاذ پر اصرار، اردو زبان کی بیخ کنی، انگریزی وہندی اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین، فرقہ وارانہ جماعتوں کے قائدین حتیٰ کہ بعض وزراء کے بیانات واعلانات اور ان کی پیش کردہ تجاویز اور ان کی تیار کی ہوئی اسکیموں کی شکل میں ظاہر ہونے لگی ہیں تو ایسے نازک وقت میں آپس میں دست وگریبان ہونا ایک بڑی ناعاقبت اندیشی اور کوتاہ نظری ہے۔[1]

---

[1] تبلیغی جماعت ملحقہ خطبات علی میاں ص ۱۳۱ ج ۵

باب ۶

فقہ کی اہمیت سے متعلق علامہ سید سلیمان ندویؒ کا مضمون

علامہ سید سلیمان ندویؒ صاحب جمیعۃ العلماء ہند (کلکتہ ۱۹۲۶ء) کے صدارتی خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

اسلام کے قانون کی بنیاد کتاب وسنت اوران سے ماخوذ ائمۃ سلف کی فقہ پر ہے، یہ کہنا کہ اسلامی فقہ موجودہ سلطنتوں کے لئے ناکافی ہے، انتہائی جہالت ہے، ابھی ہماری نئی سلطنتیں تو چوتھائی صدی کی عمر بھی بسر نہیں کرسکی ہیں لیکن ہماری گذشتہ سلطنتیں جوصدہا سال سے دنیا کے طول وعرض میں قائم رہیں ان کا مدار انہیں اسلامی قانون پر رہا اورانہوں نے وہ عروج وترقی حاصل کی اور عدل وانصاف اور رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کا سامان کیا جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔[1]

فقہ اسلامی کی تدوین نو کی ضرورت کا احساس

بدلتے ہوئے حالات اورجدید مسائل ومشکلات کے حل کے لئے سید صاحب کی رائے یہ تھی کہ فقہ اسلامی کی تدوین نو کی جائے ،اوراصحاب بصیرت علماء اوراصحاب فقہ،فقہ اسلامی کی تدوین وتطبیق کا فرض انجام دیں تاکہ دنیا کو یہ باور کرایا جاسکے کہ فقہ اسلامی ایک زندہ متحرک قانون ہے جو ہر دور اورعہد کے مسائل کے حل کی صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہے، چنانچہ ۱۹۳۵ء میں ریاست حیدرآباد نے ہندوستان کے معروف دینی ادارے دارالمصنفین کو یہ خدمت سپرد کی کہ فقہ حنفی کے مطابق ایک ضابطۂ جنایات کی ترتیب وتدوین کی جائے

[1] ندوۃ کا فقہی مزاج ص۲۱۴۔

چنانچہ سید صاحبؒ کی قیادت ونگرانی میں ان کے رفقاء نے دولت عثمانیہ ترکی کے مجلّہ الاحکام کے طرز پر دفع وار قانون جنایات مرتب کیا، جس کا مسودہ سید صاحب نے حکومتِ حیدرآباد کو پیش کیا[1]

فقہ اسلامی کی تدوین جدید کے سلسلہ میں

حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے مشورہ اور کام کا آغاز

مولانا محمد اویس صاحب ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''دارالمصنفین'' کے زمانۂ قیام میں سید صاحب نے مجھ سے اسلام کے نظام کاشتکاری اور کتب فقہ سے زراعت وآبپاشی کے مسائل کو اردو میں مرتب کرنے کے لئے فرمایا، میں نے کام شروع کر دیا، اسی زمانہ میں سید صاحب تھانہ بھون تشریف لے گئے وہاں مولانا تھانویؒ سے اس کا ذکر آیا اور رائے یہ قرار پائی کہ شروع سے پورے سلسلہ فقہ کو اردو میں مدون کر دیا جائے تا کہ اردو داں طبقہ کے ہاتھ میں ایسا مجموعہ آ جائے جو روز مرہ کی ضروریات میں ان کے لئے کافی ہو، سید صاحب نے تھانہ بھون سے تشریف لا کر اس تجویز کا ذکر فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ اب کتاب الطہارت سے کام شروع کر دو، اس کی تعمیل شروع کر دی گئی۔۔۔۔۔۔ مگر افسوس کہ پہلی جلد سے کام آگے نہ بڑھ سکا، سید صاحب کو اس سلسلہ کی تکمیل کا بے حد خیال تھا، وفات سے چند ماہ پیشتر جب ہندوستان تشریف لائے تو بار بار فرماتے تھے کہ اس وقت نئے نئے مسائل سامنے آ رہے ہیں اور ایسے علماء کی ضرورت ہے جو ان مسائل کا تشفی بخش جواب دے سکیں، اس لئے فقہ کی تعلیم پر بہت توجہ کرنا چاہئے، دارالعلوم کے طلبہ کے سامنے جو تقریر فرمائی تھی اس میں بھی اس پر زور دیا تھا، بہرحال اردو میں فقہ اسلامی کی تدوین کی تجویز اہمیت رکھتی ہے اور یہ کرنے کا کام ہے''۔[2]

[1] معارف سلیمان نمبر ص ۲۹،۱۲۶ افکار سلیمانی ص ۱۶۳ [2] روداد چمن ص ۱۵۷۔

طلبہ کو فقہ اسلامی کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت

حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تحریر فرماتے ہیں:

۱۹۵۲ء میں آخری بار سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ مشرقی بنگال کے سفر سے لوٹتے ہوئے ندوہ تشریف لائے تو استقبالیہ جلسہ میں آں جناب نے صرف اسلامی فقہ میں گہرائی اور مہارت حاصل کرنے کے لئے طلبہ کو متوجہ کیا، ان کی یہ فکر مستقبل کے حالات کا اندازہ کر کے بہت زیادہ سنجیدہ تھی۔ آج نصف صدی کے بعد ان کی اس روشن ضمیری کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔[1]

جدید مسائل کو حل کرنے کے لئے علماء مجتہدین کی ضرورت

علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے نوجوان ارکان سلطنت کہتے ہیں کہ آج ہم کو نئی نئی ضرورتیں درپیش ہیں نئے نئے مسائل سامنے ہیں، نئے نئے معاملات اور معاملات کی نئی نئی صورتیں آ گئی ہیں جن کا جواب ہم کو اسلامی قانون سے نہیں ملتا، لیکن اس کی وجہ تو یہ ہے کہ آپ نے ہماری پرانی سلطنتوں کی طرح علماء مجتہدین کے پیدا کرنے کا سامان نہیں کیا، کون کہہ سکتا ہے کہ فاروق اعظم کی سلطنت کی ضروریات ہارون رشید کی سلطنت کی ضروریات کے بالکل برابر تھیں، زمانہ کے ہر قدم کے ساتھ معاملات کے نقشے بھی بدلتے رہتے ہیں مگر ہارون رشید کے ساتھ قاضی ابو یوسف کا بھی وجود تھا۔[2]

---

[1] سلیمان نمبر ص ۲۴۹ و ۲۵۰ [2] ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج ص ۲۲۔

[2] خطبہ صدارت اجلاس ہفتم جمعیۃ العلماء ہند منعقدہ ۱۹۲۶ء کلکتہ، افکار سلیمانی ص ۱۶۵

فقہیات اور جدید تحقیقات میں

حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے حسن ظن واعتماد

علامہ سید سلیمان ندویؒ صاحب اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

''بعض اکابر کا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں بہت سے معاملات کی نئی نئی صورتیں پیدا ہوجانے کی وجہ سے ایک جدید فقہ کے مرتب کرنے کی ضرورت ہے، اور مذہبی نظام کو قائم رکھنے اوراس کے اضمحلال کو دور کرنے کے لئے موجودہ زمانہ کا ایک اہم سوال ہے، اس سلسلہ میں اگر کوئی کتاب شائع ہوئی ہو یا کوئی ادارہ ادھر توجہ کررہا ہوتو خاکسار کواس سے مطلع فرمائیں۔''

جواب میں گذارش ہے کہ افراد کی طرف سے بعض بعض مسائل اور فتووں کے جواب وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالی نے اپنے حوادث الفتاویٰ میں ایسے بعض مسئلوں کے جواب دیئے ہیں اوران کے زیر نظر جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے کچھ رسالے لکھے ہیں، دارالمصنفین نے فقہ کی مفصل ومکمل کتاب کئی جلدوں میں لکھوانے کا ارادہ کیا ہے، جن میں قدیم اور جدید سارے مسئلوں کے استیعاب کا ارادہ ہے، بالفعل پہلی جلد کتاب الطہارۃ تک تیار ہوچکی ہے، اب اس کو دیگر اہل نظر کے سامنے پیش کرنا ہے۔

لیکن اصلی صورت یہ ہے جیسا کہ حضرت مولانا تھانویؒ نے تجویز فرمایا تھا کہ اہل معاملات پہلے ان جدید معاملات کی ان صورتوں کو جوان کو پیش آتی ہیں، یکجا کر کے علماء کے سامنے رکھیں اور علماء ان کے جوابات مرتب فرمائیں، حضرات علماء کو بے تعلقی کے سبب سے جدید معاملات کی خبرنہیں اور نہ ان کو حقیقت سے پوری واقفیت ہے، اس

لئے ضرورت ہے کہ ان معاملات کی تفصیلات خود اہل معاملہ کھول کر بتائیں، تا کہ حضرات علماء ان پر غور وفکر کر سکیں۔[1]

عام مسلمانوں کی سہولت کے خیال سے حضرت مولانا تھانویؒ نے تو یہاں تک خیال ظاہر فرمایا ہے کہ معاملات میں مختلف ائمہ مجتہدین کے مسائل میں سے اس زمانے کے مطابق جس میں مسلمانوں کے لئے زیادہ سہولت اور آسانی ہو، اہل ضرورت کو اس کا فتویٰ دیا جائے، ☆

چنانچہ اسی اصول پر مظلوم مسلمان عورتوں کے لئے ''الحیلۃ الناجزۃ'' تصنیف فرمائی جس میں فقہ حنفی کو چھوڑ کر متعدد مسائل میں فقہ مالکی کے مطابق جوابات تحریر فرمائے، اور ان صورتوں کو اختیار فرمایا جن میں مسلمان عورتوں کے لئے زیادہ سہولت نظر آئی، اسی طرح معاملات کے دوسرے مسائل پر بھی نظر کی جا سکتی ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ کام ہر کس و ناکس کے کرنے کا نہیں ہے، بلکہ متقی، دیندار اور مستند اہل فتویٰ کا ہے، جن کی بصیرت پر علماء اور عام مسلمانوں کو اعتبار ہو۔[2]

---

[1] معارف ماہ مئی ۱۹۴۶ء ماخوذ از شذرات سلیمانی ص ۳۸۶

[2] معارف ماہ مئی ۱۹۴۶ء شذرات سلیمانی ۳۸۷۔

☆ (حضرت تھانویؒ نے) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عرصہ ہوا میں نے ہر پیشہ کے لوگوں سے وقتاً فوقتاً انفرادی صورت میں کہا تھا کہ ہر قسم کے معاملات جو کہ ذرائع معاش ہیں متعارف صورتیں ضبط کر لی جاویں اور میرے پاس بھیج دی جاویں، میں بصورت رسالہ ان کے احکام شرعیہ کو لکھوں گا تا کہ حوادث وقتیہ کے احکام عام طور سے معلوم ہو جاویں، اور ان میں بھی اس کی کوشش کروں گا کہ حتی الامکان وسعت دی جاوے خواہ دوسرے ہی امام کا قول لینا پڑے بشرطیکہ مذاہب اربعہ سے خروج نہ ہو، اور اس وسعت کے اہتمام کی ضرورت یہ تھی کہ بعض صورتوں میں ابتلا ہے اس لئے سہولت کی کوشش کی جاوے مگر کسی نے بھی میری اعانت نہ کی اب اگر ان معاملات کے ضبط کا بھی کچھ انتظام ہو جاوے تو اب اتنی قوت نہیں رہی کہ اس خدمت کو انجام دے سکوں۔ (ملفوظات حکیم الامت ملفوظ نمبر ۱۶۵، ص ۱۴۱ ج ۵ مطبوعہ ملتان)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا بڑا کارنامہ

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے فقہی کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت حکیم الامتؒ کو مسائل فقہیہ کی تلاش و تحقیق کا خاص ذوق تھا اور یہ ذوق ان کو اپنے شیوخ و اساتذہ کرام سے ورثہ میں ملا تھا، چنانچہ ابھی وہ تعلیم سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فتویٰ نویسی کی خدمت لینی شروع کردی تھی، اگر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی خدمات کا آغاز ۱۳۰۱ھ سے بھی کیا جائے تو ۱۳۶۲ھ تک بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ پورے ساٹھ سال اس فن شریف کی خدمت میں بسر کئے، اس طویل عرصہ میں ہزاروں مسئلوں کے جواب دیئے، ہزاروں فتوے اور سیکڑوں چھوٹے بڑے فقہی رسالے لکھے، متعدد ضخیم جلدوں میں امداد الفتاویٰ اور تتمہ امداد الفتاویٰ کے نام سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کے مجموعے جمع کئے گئے، جس کی نظیر ہندوستان میں کم از کم نہیں ملتی، **وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء.**

حوادث الفتاویٰ کے نام سے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو اس زمانہ کے نئے مسائل اور نئے مصنوعات سے متعلق ہیں، جن کے جوابات گذشتہ کتب فتاویٰ سے بآسانی حاصل نہیں کئے جاسکتے۔

''بہشتی زیور'' کی دس جلدیں جو گو عورتوں کی ضروریات کے لئے ہیں، مگر ان میں تمام ابواب فقہیہ کے مسائل مندرج ہیں، جن کے جوابات ہندوستان کے حالات اور ضروریات اور اصلاحات کے مطابق صرف انہی کتابوں سے معلوم ہوسکتے ہیں۔

''فتاویٰ اشرفیہ'' کے نام سے مسائل دینیہ کے تین حصے الگ شائع ہوئے جو مختصر رسائل ہیں۔

''بہشتی گوہر'' بہشتی زیور کے سلسلہ کا مردانہ حصہ ہے جس میں خاص طور سے ان مسائل کا بیان ہے جو مردوں سے خاص ہیں، جیسے جمعہ جماعت عیدین وغیرہ۔
ان کے علاوہ مسئلہ حجاب، مسئلہ ربا، مسئلہ رشوت، مسئلہ بنک، سنیما اور فلم اور ریڈیو وغیرہ کے مسائل پر فقہی تحقیقات ہیں، اور بعض موضوعوں پر بار بار کئی رسالے تالیف فرمائے۔[1]

احکام القرآن کی تصنیف

دلائل القرآن علی مسائل النعمان

علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنے مضمون ''مآثر حکیم الامت'' میں تحریر فرماتے ہیں:
مولانا (اشرف علی صاحب تھانویؒ) کو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ سے جو شدید شغف تھا، وہ ظاہر ہے، ان کا مدت سے خیال تھا کہ احکام القرآن ابوبکر جصاص رازی اور تفسیرات احمدیہ ملاجیون کی طرح خاص اپنی تحقیقات اور ذوق قرآنی سے ان آیات اور ان کے متعلق مباحث و دلائل کو یکجا کر دیں جن سے فقہ حنفی کے کسی مسئلہ کا استنباط واخراج ہو، لیکن یہ کام انجام نہ پاسکا، آخر میں یہ خدمت انہوں نے اپنے مسترشد خاص مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو سپرد فرمائی کہ وہ ان کی ہدایت کے مطابق اس کو تالیف فرمائیں، چنانچہ مفتی صاحب اس کام میں مصروف ہوگئے، جب وہ مدرسہ سے الگ ہوئے تو خانقاہ امدادیہ میں جا کر خاص اس کام کی تکمیل میں لگ گئے، مولانا روزانہ کی مجلس میں اس کے متعلق جو جو نکتے ان کو یاد آجاتے تھے، بیان فرماتے، اور جناب مفتی صاحب اس کو اپنے مقام پر آکر قلمبند فرما لیتے، یہ تصنیف اس طور سے جاری تھی کہ مولانا کا مرض الموت شروع ہوا، اور کام ناتمام رہ گیا۔[2]☆

[1] حکیم الامت کے آثار علمیہ۔ ماخوذ از مآثر حکیم الامت ص ۱۹۸ [2] ☆الحمدللہ یہ کام پانچ جلدوں میں مکمل ہوکر منظر عام پر آچکا ہے۔

مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی روایت میں نے سنی ہے جن کو خود بھی ماشاء اللہ قرآن پاک کے فہم کا ذوق ہے، وہ نقل کرتے تھے کہ مجلس میں مولانا ان آیات پر جب گفتگو فرماتے تھے، اور فقیہانہ دقت نظر سے کسی حنفی مسئلہ کی صحت پر استدلال کرتے تھے تو اچنبھا ہوتا تھا کہ یہ مسئلہ اس میں موجود تھا لیکن اب تک اس پر اس حیثیت سے نظر نہیں پڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادل چھٹ گیا، اور آفتاب نکل آیا، اسی کے ساتھ وہ مفتی صاحب موصوف کے حافظہ کی تعریف کرتے تھے کہ مولانا سے سن کر اپنے مستقر پر پہنچ کر اس کو بعینہٖ اسی طرح قلمبند کر لیتے تھے، جس طرح مولانا نے اس کی تقریر فرمائی تھی۔[1]

اس احکام القرآن کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں:

''احکام القرآن'' وہ عظیم الشان کتاب ہے جس کی تالیف کے لئے حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ قدس سرہٗ نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، حضرت والد صاحب (مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم کو منتخب فرمایا تھا، پیش نظر یہ تھا کہ اس کتاب میں قرآن کریم سے مستنبط ہونے والے فقہی احکام کو مفصل دلائل کے ساتھ جمع کر دیا جائے، اور اس میں خاص طور سے ان مسائل پر زیادہ توجہ دی جائے جن کی عصر حاضر میں زیادہ ضرورت ہے، چنانچہ قرآن کریم کی مختلف منزلیں ان چاروں حضرات پر تقسیم کر دی گئیں، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی منزل حضرت والا قدس سرہٗ نے پانچویں اور چھٹی منزل اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ نے ساتویں منزل کی تالیف مکمل فرمائی، اور یہ تینوں حصے شائع بھی ہو گئے..........

[1] معارف ج ۵۳ شمار نمبر ۲ رفروری ۱۹۴۴ء حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے آثار علمیہ ص ۱۸۱

چونکہ علمی اور تحقیقی مباحث پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ کتاب عوام کے بجائے اہل علم کے کام کی تھی اور اس کی افادیت صرف برصغیر کے لئے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے تھی اس لئے اس کتاب کی تالیف کے لئے عربی زبان کا بجاطور پر انتخاب کیا گیا۔[1]

''إعلاء السنن'' کی ضرورت اور اس کی اہمیت

حضرات اہل حدیث کے اس فرقہ کی طرف سے جو غالی ہے، اکثر حضرات حنفیہ پر یہ طعن کیا گیا ہے کہ حنفی مسائل کی تائید میں احادیث بہت کم ہیں اور چونکہ کتبِ حدیث زیادہ تر محدثین اور حضرات شوافع کی تالیف ہیں، اس لئے ان میں حنفیہ کی مؤید حدیثیں یکجا نہیں ہیں، گو امام محمد کی مؤطا اور آثار اور قاضی ابو یوسف کی کتاب الآثار اور مسند ابی حنیفہ مرتبہ خوارزمی اور امام طحاوی کی تصانیف سے ان کا جواب دیا جاتا رہا ہے، مگر کتب صحاح ومسانید ومصنفات سے جو رائج اور محدثین میں مقبول ہیں چن کر ان احادیث وروایات کو یکجا نہیں کیا گیا تھا، جن سے مسائل حنفیہ کی تائید ہوتی تھی۔

یہ ضرورت گو ہمیشہ سے تھی، مگر اس زمانہ میں اہل حدیث کے ظہور وشیوع سے اس ضرورت کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی، چونکہ اس تحریک کا آغاز پورب (عظیم آباد پٹنہ) سے ہوا، اسی لئے اس ضرورت کا احساس بھی پہلے یہیں کیا گیا، چنانچہ حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا محمد بن ظہیر احسن شوق نیموی عظیم آبادی نے ''آثار السنن'' کے نام سے کتب حدیث سے التقاط کر کے اس قسم کی حدیثوں کو شائع کیا، اس کے دو ہی حصے شائع ہو سکے، اس کا دوسرا حصہ ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوا، علمائے احناف نے اس کتاب کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا،

[1] پیش لفظ ''اسلام اور موسیقی'' مطبوعہ پاکستان ص ۲۶

یہاں تک کہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس زمانہ میں مدرسۂ امینیہ دہلی میں مدرس تھے، اس کی مدح میں عربی قصیدے لکھے، افسوس ہے کہ مولانا نیموی کی وفات سے ان کا یہ کام ناتمام رہا۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس ضرورت کو محسوس فرمایا، اور ''احیاء السنن'' کے نام سے اس قسم کی احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا، اور اس کی ترتیب ابواب فقہیۃ پر رکھی، لیکن افسوس کہ اس کا مسودہ ضائع ہوگیا۔

کچھ دنوں کے بعد پھر اس موضوع کا خیال آیا اور دوبارہ ایک جدید اسلوب پر اس قسم کی حدیثوں کا مجموعہ جامع الآثار کے نام سے مرتب فرمایا، لیکن یہ سلسلہ ابواب الصلوٰۃ سے آگے نہیں بڑھا، تاہم جتنا مرتب ہوگیا، وہ چھپ کر شائع ہوگیا۔

۱۳۳۱ھ میں یہ خیال ہوا کہ یہ کام اتنا بڑا ہے کہ حضرت والا خود اس کام کو تنہا انجام نہیں دے سکتے، اس لئے یہ قرار پایا کہ اس کے لئے بعض مستعد علماء کو رکھ کر کام لیا جائے، چنانچہ.......آئندہ کام کے لئے مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کا انتخاب ہوا۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر ہدایت اس کام کو بڑی دیدۂ ریزی، وسعت نظر اور تحقیق وتنقید کے ساتھ انجام دینا شروع کیا۔

اس کے بعد ''احیاء السنن'' کے نام کو بدل کر ''اعلاء السنن'' کے نام سے اس کام کو شروع کیا گیا، اور اس وقت تک اس کی بارہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں جن میں مذہب حنفی کی مؤید حدیثوں کو بڑے استیعاب کے ساتھ جمع کیا گیا، اور محدثین اور اہل فن کی تحقیقات اس کے شروح وحواشی میں یکجا کئے گئے ہیں۔[1] ☆

---

[1] حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے آثار علمیہ، معارف ج ۵۳ شمارہ نمبر ۲ فروری ۱۹۴۴ء

☆ الحمد للہ یہ کتاب ۲۲ جلدوں میں مکمل ہوکر انڈیا (دیوبند) وپاکستان وغیرہ سے برابر شائع ہورہی ہے، اخیر کی جلدیں خاص طور پر اصول حدیث واصول فقہ اور اجتہاد وتقلید وغیرہ مباحث اور مناقب ابی حنیفہ پر مشتمل ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا سلسلہ ''ترجیح الراجح''

علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں: یہ وہ مجموعہ ہے جس کی نظیر سلف صالحین میں تو ملے گی، مگر متاخرین کے یہاں یہ سلسلہ بالکل مسدود ہے، اس مجموعہ میں حضرت حکیم الامت نے اپنے ان مسائل کو جمع فرمادیا ہے، جن میں از خود یا کسی دوسرے کے توجہ دلانے سے کوئی تسامح نظر آیا، تو اس سے رجوع فرماکر مسئلہ کی مزید تحقیق فرماکر تصحیح کردی، یہ سلسلہ حضرت کی انصاف پسندی، تواضع اور عدم نفسانیت کا بین ثبوت ہے، یہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرات تابعین وتبع تابعین عظام کا طریق تھا، جس کو اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت نے زندہ کیا اور اپنے کو بارِ آخرت سے بچایا[1]

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا اپنی بعض تحقیقات سے رجوع

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

میری پیدائش صفر ۱۳۰۲ھ میں ہوئی اور اب یہ محرم ۱۳۶۲ھ شروع ہوگیا، یعنی میری عمر نے زندگی کے ساٹھ مرحلے طے کر لئے، میری تحریر کا آغاز ۱۹۰۲ء سے ہوا ہے اور اب ۱۹۴۲ء ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میری تحریری عمر نے چالیس سال پورے کر لئے، جب اس پر نظر جاتی ہے کہ اس ساٹھ سال کی زندگی میں کیا کیا کوتاہیاں ہوئیں اور کیسی کیسی لغزشیں پیش آئی ہوں گی تو دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے :

از کردہ ٔ ناصواب یارب توبہ

تحریری زندگی کے چالیس سال پورے ہوگئے، یاد نہیں کہ ان چالیس برسوں میں قلم نے کیا کیا لکھا اور کہاں کہاں غلطی کی، اتباع حق کے بجائے اتباع ہویٰ کے موقعے کہاں

[1] حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے آثار علمیہ، معارف ج ۵۳ شمارہ نمبر ۲ فروری ۱۹۴۴ء

کہاں پیش آئے اور اب بھی اپنی موجودہ حالت پر بزبان حال یہ صدائے غیب آتی ہے۔

چہل سال عمر عزیزت گذشت
مزاج تو از حال طفلی نہ گشت

کتابوں اور مضمونوں کے ہزار ہا صفحات اتنے دنوں میں سیاہ کئے گئے، کہا نہیں جاسکتا کہ کہاں کہاں حق کا ساتھ چھوٹا ہے اور کس باطل کی تائید میں قلم نے لغزش کی ہے جس سے اتباع حق کے بجائے اتباع ہویٰ کا ارتکاب ہوا ہو، بندہ ہر حالت میں قصوروار ہے، خطاونسیان اس کا خمیر ہے اور اس کا علم وعمل کی لغزش گاہوں سے ٹھیک ٹھیک بچ نکلنا بہت مشکل ہے اس لئے یہ خاکسار ہیچمدان علی الاعلان اپنی ان تمام غلطیوں سے جو دانستہ یا نادانستہ حق کے خلاف ہوئی ہوں صدق دل سے توبہ کرتا ہے اور اپنے قصور کا اعتراف اور اپنی ہر اس رائے سے جس کی سند کتاب وسنت میں نہ ہو، اعلان برأت کرتا ہے، **وما توفیقی الا باللہ**۔[1]

معراج اور فناء نار کے مسئلہ میں رجوع

ایسا بھی دو چار دفعہ ہوا ہے کہ ایک تحقیق کے بعد دوسری تحقیق سامنے آئی ہے اور اپنی غلطی ظاہر ہوئی ہے تو بعد کے ایڈیشن میں اس کے مطابق تبدیلی کر دی ہے مثلاً معراج بحالت بیداری و بہ جسم ہونے پر قرآن پاک سے صحیح استدلال مجھے پہلے نہ مل سکا اور بعد کو اللہ تعالیٰ نے توفیق سے صحیح دلیل سمجھا دی تو دوسرے ایڈیشن میں اس کو بڑھا کر اس مقام کی تصحیح کر دی۔

اسی طرح فنائے نار کے مسئلہ میں پہلے حافظ ابن تیمیہؒ اور ابن قیم کی پیروی میں کچھ لکھا گیا، بعد کو جمہور کی رائے کا اضافہ کر کے دونوں کے دلائل کی تشریح کر دی اور اب بحمد للہ کہ اس باب میں جمہور ہی کے مسلک کا حق ہونا سمجھ میں آ گیا۔ **وما توفیقی الا باللہ**۔

---

[1] معارف جنوری ۱۹۶۳ شذرات سلیمان ص ۳۱۸۔

تصویر کے مسئلہ میں رجوع

مسئلہ تصاویر کے متعلق میں نے ۱۹۱۹ء میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں ذی روح کے فوٹو لینے یعنی عکسی تصویر کشی اور خصوصاً نصف حصہ جسم کے فوٹو کا جواز ظاہر کیا تھا، اس سلسلہ میں بعد کو ہندوستان اور مصر کے بعض علماء نے بھی مضامین لکھے جن میں سے بعض میرے موافق ہیں اور بعض میرے مخالف ہیں لیکن بہر حال اس بحث کے سارے پہلو سامنے آ گئے ہیں، اس لئے سب کو سامنے رکھ کر اب اس سے اتفاق ہے کہ صحیح یہی ہے کہ امر اول (یعنی عکسی تصویر جو کیمرے وغیرہ سے لی جاتی ہے) دستی تصویر کی طرح ناجائز ہے اور امر ثانی کا کھینچنا ناجائز اور کھنچوانا باضطرار جائز اور دھڑ کا بغیر سر اور چہرے کے دونوں جائز! پوری تفصیل آئندہ لکھی جائے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

زیوروں کی زکوۃ کے مسئلہ میں رجوع

زیوروں میں زکوۃ کے وجوب اور عدم وجوب کے مسئلہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف رہا ہے، روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عدم وجوب کی قائل تھیں، سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں ان کے اس مسلک کی تشریح میرے قلم سے کچھ اس انداز سے نکلی ہے جس سے اس مسئلہ میں ان کی اس رائے کی تائید ظاہر ہوتی ہے چنانچہ ایک صاحب علم نے بڑی خوبی سے اس کا جواب بھی ایک رسالہ میں لکھا ہے جو شائع ہو چکا ہے اس لئے اس غلط فہمی کو دور کر دینا ہے اور کہہ دینا ہے کہ میں زیوروں میں جمہور کے فیصلہ کے مطابق زکوۃ کے وجوب کا قائل اور اس پر بحمد للہ عامل ہوں اور کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں انشاء اللہ اس کی تصحیح بھی ہو جائے گی۔

یہ باتیں کسی معترض کے خوف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے لکھ رہا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ بار الٰہا مجھے صراط مستقیم پر قائم رکھ اور

جب کبھی تقاضائے بشری سے مجھ سے غلطی ہو تو مجھے متنبہ اور معاف فرما اور مسلمانوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھ اور مجھے راہ صواب دکھا، **ربنا اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين. ربنا لا تواخذنا ان نسينا أو أخطانا.....واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا !!!**

اگر مسلمانوں میں کوئی ایسا ہو جس نے میری وجہ سے ان مسئلوں میں میری رائے اختیار کی ہو تو اس کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اس میرے رجوع اور تصحیح کے بعد اپنی غلطی سے رجوع کر لے اور صحیح امر اختیار کرے، علمائے سلف میں اپنی رائے سے رجوع اور ترجیح اور قول ثانی کا رواج عام رہا ہے۔ یہ ان ہی کا اتباع حق ہے **والحق احق ان يتبع والسلام علىٰ من اتبع الهدى**[1]

---

[1] معارف ماہ جنوری ۱۹۴۳ء و تذکرہ سلیمان، ص: ۱۶۰ تا ۱۶۲۔

فصل

امام ابوحنیفہؒ کی قدر و منزلت اور موجودہ غیر مقلدین ایک نظر میں

از: مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی دامت برکاتہم ☆

ائمہ اربعہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سب سے بڑے سب سے مقدم، اور سب سے زیادہ وسعت اور گہرائی اور گیرائی رکھنے والے تھے، اس کا اعتراف مسجد کے ملا اور جمن اور عوام الناس کریں تو کہہ دیا جائے کہ ناواقف لوگ ایسی بات کہہ رہے ہیں، اس کا اعتراف ان ائمہ عظام نے کیا جو ان سے بہت سے مسائل میں اختلاف بھی رکھتے ہیں اور وہ خود مقتدا اور پیشوا ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے متعلق امام شافعیؒ کی شہادت

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ''الناس فی الفقه عیال علی ابی حنیفة[1]

''الناس''، تمام انسان بشمول شافعی، بشمول احمد ابن حنبل، بشمول دیگر حضرات، جو بعد کے ہیں، فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج اور دست نگر ہیں، امام شافعی منصف تھے، امام شافعی دانشمند تھے، امام شافعی امام جلیل تھے، امام شافعی صادق اللسان تھے، امام شافعی نے جب یہ کہا تو حقیقت کی ترجمانی کی، کیونکہ امام شافعی، امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید امام محمد بن الحسن الشیبانی کے شاگرد ہیں، اور امام ابوحنیفہ ان کے استاذ الاستاذ ہیں، فقہ حنفی انہوں نے امام محمد سے سیکھی ان کی فقاہت کو سمجھنے کا انہیں خوب موقعہ ملا۔

(☆ یہ مضمون حضرت مولانا سید سلمان حسینی صاحب ندوی دامت برکاتہم کی ایک اہم تقریر کا آخری حصہ ہے جو بعینہٖ نقل کیا گیا ہے) [1] سیر اعلام النبلاء ص ۳۹۰ ج ۶

امام اعظمؒ کے حق میں امام مالکؒ کی گواہی

ابتداءً امام مالکؒ جن کی ملاقات امام ابوحنیفہ سے نہیں ہوئی تھی ، اور ان تک غلط فہمیاں پیدا کرنے کے لئے غلط باتیں پہنچائی گئیں تھیں ، امام صاحب کے بارے میں صحیح رائے نہیں رکھتے تھے ، یہ کہا گیا تھا کہ وہ بڑے قیّاس ہیں ، بڑی رائے زنی کرتے ہیں ، حدیثوں پر توجہ نہیں دیتے اور آپ جانتے ہیں کہ عراق تو ''دارالضرب'' کہلاتا تھا جہاں اہل تشیع کی مہربانی سے حدیثیں گڑھی جاتی تھیں ، مختلف باتیں امام مالک کو پہنچائی گئیں ، لیکن جب امام مالک کی امام ابوحنیفہ سے ملاقات ہوئی اور دونوں کا مذاکرہ ہوا اور ایک دوسرے کے علم اور تقویٰ کو سمجھنے کا موقع ملا ، تو امام ان کی فقاہت وذہانت سے بے انتہا متاثر ہوئے اور فرمایا:

یہ ایسا امام جلیل ہے کہ یہ اگر ثابت کرنا چاہے کہ مسجد نبوی کے یہ ستون سونے کے ہیں تو ثابت کرسکتا ہے۔[1]

یعنی دلائل وبراہین اس کے حضور کھڑے رہتے ہیں ، دلائل پیش کرنے پہ آئے تو بڑے سے بڑا منطقی اور بڑے سے بڑا معقولی انگشت بدنداں رہ جائے ، یہ اعتراف حضرت امام ابوحنیفہ کا ایک ایسے امام کی طرف سے ہے جن کو آج کل کے ''اہل حدیث'' اپنے میں شمار کرنا چاہتے ہیں اور وہ ان سے بری ہیں۔

امام اوزاعیؒ کی حضرت عبداللہ بن مبارک کو نصیحت

امام اوزاعیؒ بھی امام ابوحنیفہؒ کے مقامِ فقاہت سے پوری طرح واقف نہیں تھے ، ایک موقع پر ایک مسئلہ زیر بحث آیا جو حل نہیں ہو رہا تھا ، اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن المبارکؒ نے ایک رائے ذکر کی ، امام اوزاعی نے پوچھا: اے عبداللہ! یہ مسئلہ تمہیں

[1] الخیرات الحسان ص ۳۱

کہاں سے معلوم ہوا؟ تو انہوں نے کہا کہ ابوحنیفہ النعمان سے، تو انہوں نے کہا کہ:

اچھا اگر ایسا ہے تو، **فالزم غرزہ** تو ان کی رکاب تھامے رہنا، ان کی رکاب تھامے رہنا۔[1]

دولت عباسیہ میں حنفی چیف جسٹس کا تقرر

اور یہی وہ فقیہ اعظم ہیں جن کے شاگرد رشید ابو یوسف القاضی کو پوری ملت اسلامیہ کے لئے دولت عباسیہ نے چیف جسٹس کے عہدے پر تعینات کیا، قاضی القضاۃ کا منصب ابویوسفؒ کے لئے طے کیا گیا جب کہ عباسی خاندان اپنی نسبت خاندانی حضرت ابن عباس سے رکھتا تھا اور فقہ ابن عباسؓ پر زیادہ تر فقہ شافعی کا دارومدار ہے۔

مذاہب اربعہ کے مآخذ اور امام اعظمؒ کا مرتبہ

امام شافعیؒ کی فقہ کا بنیادی مأخذ فقہ ابن عباسؓ ہے جیسے امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کا بنیادی مآخذ فقہ ابن مسعودؓ ہے اور امام مالکؒ کی فقہ کا مآخذ فقہ ابن عمرؓ ہے اور ابن حنبلؒ کی فقہ کا مأخذ فقہ شافعیؒ، وفقہ مالکی اور فقہ حنفی ہے، ابوحنیفہؒ رأس الفقہاء ہیں، اور یہ اعتراف تمام فقہاء اور علماء کا ہے کہ اس مقام اور اس میدان میں ابوحنیفہ کا کوئی ثانی نہیں۔

دیگر فقہاء کے نقطہائے نظر

اوزاعیؒ بھی امام ہیں، لیث بن سعدؒ بھی امام ہیں، اسحاق بن راہویہؒ بھی امام ہیں، لیکن اسحاق بن راہویہؒ اکثر احمد بن حنبلؒ کے ساتھ ہیں، ان کا فقہی نقطۂ نظر ان سے ملتا جلتا ہے، اوزاعی کا فقہی نقطۂ نظر اکثر ابوحنیفہؒ سے ملتا جلتا ہے، لیث بن سعدؒ کا فقہی

[1] الخیرات الحسان ص ۲۲

نقطہ نظر اکثر مالکؒ سے ملتا جلتا ہے، ہر فقیہ کو وہ تلامذہ نہیں ملے جو اس کی فقہ کی داغ بیل اچھی طرح ڈالتے اور اس کی تدوین کا فریضہ انجام دیتے، کیا احمد بن حنبلؒ کا مقام بخاریؒ سے کمتر ہے؟ ہرگز نہیں، احمد بن حنبلؒ بخاریؒ کے استاد ہیں، لیکن احمد بن حنبلؒ وہ کام نہ کر سکے جو بخاریؒ نے کیا، آج اصح الکتب بعد کتاب اللہ، صحیح البخاری کو قرار دیا جاتا ہے، لیکن اسی طرح بخاری وہ کام نہ کر سکے جو امام احمد بن حنبل کی فقہ سے وجود میں آیا۔

امام مالک کے یہاں فقہاء کا مقام اور اہمیت

امام مالکؒ عام محدثین میں سب سے مقدم ہیں، جنہوں نے مؤطا لکھی اور جن کی مؤطا کے بارے میں خلیفہ عباسی منصور نے خود حضرت امام مالکؒ سے درخواست کی تھی کہ اس کو کعبہ مقدسہ پر آویزاں کر دیا جائے تا کہ پوری ملت اسلامیہ اس کو دستور مانے، تو امام مالکؒ نے کہا کہ نہیں، یہ کرنا درست نہیں ہے، یہ میری ایک کوشش ہے، میں امت کا ایک فرد ہوں، ایک مجتہد ہوں، اور بھی بہت سے علماء اور اصحاب اجتہاد ہیں، میری رائے ان پر تھوپی جائے، اور لازم کی جائے یہ خلاف انصاف ہے، اس لئے ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ تھا ان حضرات کا انصاف اور ان کی تواضع، کہ اپنے معاصر علماء کی رائے کا اس قدر احترام تھا، انہوں نے اپنی کتاب کو مملکت کا دستور نہیں بننے دیا، جب کہ وہ شیخ الامامین ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد محمد بن الحسنؒ، امام مالکؒ کے شاگرد اور امام شافعیؒ بھی ان کے شاگرد ہیں، اور دوسری طرف وہ شیخ الملوک بھی ہیں کہ ہارون الرشید کے دونوں صاحبزادے امین و مامون امام مالکؒ کے شاگرد ہیں، سلطنت کے بھی افراد امام مالکؒ کے شاگرد اور فقاہت کے بھی بڑے بڑے علمبردار امام مالک کے شاگرد ہیں، اور امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ کے معترف ہیں، سب ایک دوسرے کے معترف اور قدر و احترام کرنے والے ہیں۔

ائمہ اربعہ کے تلامذہ

بہرحال ائمہ اربعہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے تلامذہ عطا فرمائے جنہوں نے ان کے اقوال محفوظ رکھے، ان کے اصول محفوظ رکھے، قواعد مرتب کئے، ان سے سنی ہوئی احادیث مرتب کیں، مسائل مرتب کئے اور ان کے اصول کے مطابق مسائل کے جوابات دیئے، کتنی مضحکہ خیز بات کرتے ہیں جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کے پاس سترہ احادیث تھیں، یہ ایک ایسی بچکانہ اور طفلانہ بات ہے کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی کسی علمی مجلس میں اس کو ذکر کرے تو اس کی بدذوقی کی دلیل کے لئے یہ کافی ہے۔

حاملین علم کا ہمیشہ رویہ یہ رہا کہ انہوں نے علماء وفقہاء کے ادب کو ملحوظ رکھا، ان کے اختلافات کا تذکرہ بھی کیا تو ادب کے ساتھ کیا، ان کے مناقشات ومباحثات اور استناد کا تذکرہ کیا تو ادب کے ساتھ، علم کا ایک ادب ہوتا ہے، اسی نسبت سے صاحب علم کا ادب ہوتا ہے۔

آج کل کے غیر مقلدین سلفی ایک نظر میں

آج جو سلفی مسلک کی طرف اپنی نام نہاد نسبت کرتے ہیں اور اپنے کو سلفی کہتے ہیں اس کی کوئی دینی، علمی، تاریخی، اور قانونی اصلیت اور استناد نہیں، اس کے کوئی منضبط معنیٰ نہیں ہیں، یہ ائمہ اربعہ سے فرار کی ایک ناکام ونامراد کوشش ہے، اور خود سلف کے طریقہ سے گریز کی علامت، کہ سلف میں کسی نے اپنے کو کبھی سلفی نہ کہا، ہاں **اهل السنة والجماعة** یا **اهل القرآن** یا **اهل الحديث** کی اصطلاحات ضرور استعمال ہوئیں، لہٰذا یہ اصطلاح بے اصل اور غیر مستند ہے، محدثین کبار جو آج احادیث کی تحقیق میں مرجع ہیں اپنے کو سلفی نہیں کہتے، ابن حجر نے اپنے کو سلفی نہ کہا، عینی نے اپنے کو سلفی نہ کہا، نووی نے اپنے کو سلفی نہ کہا، عراقی نے اپنے کو سلفی نہ کہا، ابن دقیق العید نے اپنے کو سلفی نہ کہا یہ

اصطلاح مبتدعانہ ہے، یہ نئی اصطلاح پیدا کی گئی ہے، نہ قرن اول میں یہ اصطلاح تھی، نہ قرن ثانی میں، نہ قرن ثالث میں، نہ کسی دور میں، یہاں تک کہ ''اہل الحدیث'' کی اصطلاح بھی عہد نبوی میں نہیں تھی، عہد نبوی میں حضور نے جو اصطلاح استعمال فرمائی بعض بعض موقعوں پر وہ اصطلاح ''اہل القرآن'' کی ہے، ترمذی میں حدیث آئی ہے وتر کے بیان میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! أوتروا یاأهل القرآن اوتروا یاأهل القرآن حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے کہا تھا آواز دو! یااهل القرآن ، قرآن کی طرف نسبت تو حدیث میں ثابت ہے اگرچہ اہل القرآن کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اہل الحدیث نہیں اور اہل الحدیث کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اہل القرآن نہیں، لیکن کسی اصطلاح کو اپنے اوپر چسپاں کر لینا جب وہ اپنے اوپر فٹ نہ ہوتی ہو درست نہیں۔

حنفی کہنے کا مطلب

جس نے اپنے کو حنفی کہا اس نے صحیح کہا کیونکہ اس نے ابوحنیفہ جو فقیہ و مجتہد تھے کے مسلک اور اس کی تفصیلات، تخریجات اور تفریعات اور اجتہادات اور آراء محمودہ کا اتباع کیا، اس لئے اس نے اپنے کو تعارف کے لئے حنفی کہا، نہ کہ تفریق کے لئے، گویا اس نے یہ کہا کہ ابوحنیفہ نے جو مجتہدانہ کوششیں کی ہیں میں ان سے وابستہ ہوں، انہیں پسند کرتا ہوں، کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بہترین تشریح پر مشتمل ہیں، اس لئے میں ان کو مانتا ہوں، اگر کسی جج کے پاس دو فریق اپنا مقدمہ لے جائیں تو اس بات کی دلیل نہیں ہوتی کہ دوسرے جج کو وہ لازماً غلط سمجھتے ہیں، دوسرا جج اپنی جگہ صحیح ہے، ایک جج آپ کے لئے متعین کر دیا گیا ہے اب آپ اس پورے کیس میں اس جج سے رجوع کرتے رہتے ہیں، دوسرا جج جس کو دوسرے نے اختیار کیا ہے، وہ اس کے لئے

متعین کردیا گیا ہے وہ اس سے رجوع کرتا ہے، جس طرح کسی ملک میں سپریم کورٹ آخری اتھارٹی ہوتی ہے، اسی طرح ملت اسلامیہ کے لئے ائمہ اربعہ اسلام کی سپریم کورٹ کی آخری اتھارٹی ہیں وہ واضع قانون نہیں ہیں، قانون کے معتبر شارح وترجمان ہیں، جن کو امت کے تمام علماء فقہاء اور محدثین نے تسلیم کیا ہے، انہیں ائمہ کے متبعین کی کتابوں سے سلفی دلیل اخذ کرتے ہیں اور پھر اس کا وار خود انہیں کے خلاف کرتے ہیں۔

ائمہ اربعہ کی توہین کرنے والا اہل سنت والجماعت سے خارج ہے

اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (جن کی طرف نسبت کرنے سے سلفی نہیں چوکتے) فرماتے ہیں ''جو شخص بھی ائمہ اربعہ کی توہین کرے وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے، یہاں تک کہ اگر ان سب سے کوئی اختلاف کررہا ہے تو اغلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں وہ حق پر نہیں، ائمہ اربعہ کی فقہ سے خروج کرنا اچھی علامت نہیں ہے اس میں خطرات بہت زیادہ ہیں، ان کی توہین وبے ادبی تو صرف زندیق ومنافق ہی کرتے ہیں ، یا باطل فرقوں کے ایجنٹ، جو معاملہ شیعوں نے صحابہ کے ساتھ کیا، جو بھی یہ معاملہ ائمہ اور اولیاء اللہ کے ساتھ کرتا ہے وہ اصلاً تشیع کی ذہنیت ومزاج رکھتا ہے، اور جو نحوست شیعوں کے ساتھ لگی ہے وہی نحوست ان بے ادب سلفیوں غیر مقلدوں کے ساتھ بھی لگی ہے، جن فقہاء، صوفیاء اور اولیاء اللہ کا تذکرہ، ذہبی، سیوطی، ابن خلکان اور دیگر محقق ومورخ علماء کرام نے نہایت بلند الفاظ والقاب کے ساتھ کیا ہے اب جو شخص اس درجہ سطحیت اور چھچھورے پن پر اتر آئے کہ ان کے ساتھ بھی سب وشتم کرے، اس کی شقاوت وبدبختی میں کیا شبہ کیا جاسکتا ہے۔[1]

[1] محدثین کے یہاں فقہ اور فقہاء کی اہمیت ص ۵۵ تا ۶۲

ضمیمہ

تقلید شخصی سے متعلق مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا مضمون

عہد صحابہ میں تقلید شخصی

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

عہد صحابہ میں تقلید شخصی کی بھی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۷ میں کتاب الحج "**باب اذاحاضت المراۃ بعد ما افاضت**" کے تحت حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے:

"**إن اهل المدينة سألوا ابن عباسؓ عن امرأة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا نأخذبقولک وندع قول زيدؓ**"۔

اور یہی روایت معجم اسماعیل میں عبدالوہاب الثقفی کے طریق سے منقول ہے، اس میں اہل مدینہ کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

"**لانبالی افتيتنا أولم تفتنا، زيدبن ثابت يقول لا تنفر**"[۱]

اور مسند ابوداؤد طیالسی میں ان کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

"**لانتابعک یاابن عباسؓ وانت تخالف زيداً**"[۲]

اس سے وضاحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ یہ حضرات زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی کیا کرتے تھے، اسی بناء پر انہوں نے اس معاملہ میں حضرت ابن عباسؓ جیسے صحابی کا فتویٰ قبول نہیں کیا اور ان کے قول کو رد کرنے کی وجہ بجز اس کے بیان نہیں فرمائی کہ ان کا

---

[۱] فتح الباری ج ۳ ص ۴۶۸ طبع میریہ ۱۳۰۰ھ وعمدۃ القاری ج ۴ ص ۷۷۷، ۱۲

[۲] مسند ابوداؤد طیالسی، ص ۲۲۹ مرویات ام سلیمؓ

یہ قول زید رضی اللہ عنہ کے فتوے کے خلاف تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی ان پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ تم تقلید شخصی کر کے گناہ یا شرک کے مرتکب ہو رہے ہو بلکہ انہیں یہ ہدایت فرمائی کہ وہ حضرت ام سلیم سے مسئلہ کی تحقیق کر کے حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف دوبارہ رجوع کریں، چنانچہ ایسا کیا گیا، اور حضرت زیدؓ نے حدیث کی تحقیق فرما کر اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع فرمالیا، جیسا کہ مسلم (ج۱ص۴۲۷ کتاب الحج باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض، ۱۲۱) وغیرہ کی روایات میں مصرح ہے۔

بہرحال اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اہل مدینہ حضرت زیدؓ کی تقلید شخصی کرتے تھے۔

(۲) صحیح بخاری (ج۲ص۹۹۷) میں کتاب الفرائض باب میراث ابنة ابن مع ابنته کے تحت حضرت ہذیل بن شرحبیل سے مروی ہے کہ:

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کچھ لوگوں نے ایک مسئلہ پوچھا، انہوں نے جواب تو دے دیا مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی پوچھ لو، چنانچہ وہ لوگ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس گئے، اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی رائے بھی ذکر کر دی، حضرت ابن مسعودؓ نے جو فتویٰ دیا وہ حضرت ابوموسیٰؓ کے فتویٰ کے خلاف تھا، لوگوں نے حضرت ابوموسیٰؓ سے حضرت ابن مسعودؓ کے فتوے کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا:

''لاتسئلونی مادام هٰذاالحبر فیکم''

(تم لوگ مجھ سے مسئلہ مت پوچھو جب تک تم میں یہ بڑے عالم موجود ہیں)

اور مسند احمد (ج۱ص۴۶۴ فی احادیث عبدالله بن مسعودؓ) کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

''لاتسئلونی عن شیء مادام هٰذاالحبر بین اظهر کم''

(تم لوگ مجھ سے کوئی مسئلہ مت پوچھو جب تک کہ یہ علامہ تمہارے درمیان موجود ہیں)

یہاں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ ہر مسئلہ عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے پوچھا کرو، اور اسی کا نام تقلید شخصی ہے۔

(۳) ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں مشہور واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور ان کو مأخذِ شریعت کی ہدایت فرمائی، اس واقعہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اہل یمن کے لئے محض گورنر بن کر نہیں گئے تھے، بلکہ قاضی اور مفتی بن کر بھی گئے تھے، لہٰذا اہل یمن کے لئے صرف ان کی تقلید کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا، چنانچہ اہل یمن انہی کی تقلید شخصی کیا کرتے تھے۔

اس پر بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ قاضی تھے، مفتی نہیں تھے، لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے صحیح بخاری (ج۲ص۹۷۲) ''**کتاب الفرائض باب میراث البنات**'' میں حضرت اسود بن یزیدؒ کی روایت ہے کہ:

''**أتانا معاذ بن جبل باليمن معلّما و أميراً فسألناه عن رجل توفى وترک ابنته واخته فاعطى الابنة النصف والاخت النصف**''

اس سے صاف واضح ہے کہ وہ بحیثیت مفتی کے فتویٰ دیتے تھے اور زیر بحث مسئلہ میں انہوں نے اپنے فتویٰ کی کوئی دلیل بھی بیان نہیں فرمائی اور اہل یمن نے اس کو محض تقلیداً قبول کیا۔

غرض عہد صحابہ میں تقلید مطلق اور تقلید شخصی دونوں کے نظائر بکثرت موجود ہیں اور واقعہ یہی ہے کہ اصل کے اعتبار سے دونوں جائز ہیں، اور قرون اولیٰ میں دونوں طریقوں پر بلانکیر عمل ہوتا رہا ہے، لیکن بعد کے علماء نے ایک عظیم انتظامی مصلحت سے تقلید مطلق کے بجائے تقلید شخصی کا التزام کیا۔

تقلید شخصی جب پہلے واجب نہیں تھی اب کس مصلحت سے واجب اور ضروری ہو گئی؟

اس مصلحت کو سمجھنے کے لئے پہلے تو یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ اتباع ہویٰ (خواہشات نفس کی پیروی) قرآن کریم کی بیشمار تصریحات کے مطابق انتہائی سنگین بیماری ہے، پھر اتباع ہویٰ ایک تو یہ ہے کہ انسان حرام کو حرام سمجھتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے، اور اس سے بھی بدتر صورت یہ ہے کہ انسان اتباع ہویٰ کے تحت حرام کی حرمت ہی سے انکار کر دے، یہ شکل اس لئے بہت بری ہے کہ اس میں انسان کو اپنے فعل پر ندامت بھی نہیں ہوتی۔

فقہاء کرام نے یہ محسوس کیا کہ قرون اولیٰ میں دیانت عام تھی، اس لئے تقلید مطلق میں اتباعِ ہویٰ کا کوئی خطرہ نہیں تھا، لیکن بعد میں دیانت کا وہ معیار باقی نہیں رہا، لہٰذا اگر تقلید مطلق کا دروازہ بالکل کھلا رکھا گیا تو لوگ اپنے نفس کی خواہشات کے مطابق جس امام کے قول میں آسانی دیکھیں گے اسے اختیار کر لیں گے، اور یہ وہ سنگین گمراہی ہے جس کے خلافِ اسلام ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا، خود علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس طرزِ عمل کو انتہائی مذموم قرار دیا ہے کہ نفسانی خواہشات کی پیروی میں کبھی کسی امام کا قول اختیار کر لیا جائے اور کبھی کسی امام کا۔[1]☆

---

[1] فھٰذا الاتباع والتقلید الذی ذمه الله هو اتباع الھویٰ.

فتاوی ابن تیمیه ص۱۵ ج۲۰

☆(غیر مقلدین کے امام علامہ شوکانیؒ نے اپنی کتاب ''ارشاد الفحول'' میں بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے اور انہی عبارتوں کو نقل فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:==

تقلید شخصی سے آزادی کا نتیجہ اور اس کا نقصان

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس بات کی کھلی آزادی دے دی جائے کہ جس مجتہد کا چاہو قول اختیار کر لو تو دین ایک کھلونا بن کر رہ جائے، کیونکہ اکثر مجتہدین کے یہاں کچھ نہ کچھ منفرد اقوال ایسے ملتے ہیں جو خواہشات نفس کے مطابق ہوتے ہیں، مثلاً امام شافعیؒ کے نزدیک شطرنج کھیلنا جائز ہے، حضرت عبداللہ بن جعفر کی طرف موسیقی کا جواز منسوب ہے، حضرت قاسم بن محمد کی طرف منسوب ہے کہ وہ بے سایہ تصویروں کو جائز کہتے تھے، مالکیہ میں سے امام سحنون کی طرف اپنی زوجہ کے ساتھ وطی فی الدبر کا جواز منسوب ہے، امام اعمش سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک روزہ کی ابتداء طلوع شمس سے ہوتی ہے، ابن حزم ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اسے برہنہ دیکھنا بھی جائز ہے، نیز انہی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو کسی مرد سے پردہ کرنا مشکل ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس بالغ مرد کو اپنی ثدی سے دودھ پلادے، اس طرح حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی، اور پردہ اٹھ جائے گا، اور حضرت عطاء بن ابی رباح کا مسلک یہ ہے کہ اگر عید کا دن جمعہ کے روز آجائے تو اس دن ظہر اور جمعہ دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔

غرض اس طرح اگر کوئی شخص ایسے اقوال کو تلاش کر کے ان پر عمل شروع کر دے تو ایک ایسا دین تیار ہو جائے گا کہ جس کا بانی سوائے شیطان اور نفس کے کوئی نہیں،

==امالو اختار المقلد من کل مذهب ماهو الاهون علیه والاخف فقال ابو اسحٰق المروزی یفسق، .....قال الامام احمد بن حنبل لوان رجلا عمل بقول اهل الکوفة فی النبیذ واهل المدینة فی السماع وأهل مکة فی المتعة کان فاسقا۔

وفی السنن للبیهقی عن الاوزاعی من أخذ بنوادر العلماء خرج عن الاسلام.....

(ارشاد الفحول للشوکانی المقصدالسادس المسئلة الخامسة ص۲۷۲)

اسی لئے بعض اسلاف کا قول ہے کہ: ’’من أخذ بنوادر العلماء خرج من الاسلام‘‘ (جس نے علماء کی ایسی نادر باتوں کو اختیار کیا وہ دائرہ اسلام سے نکل گیا) اورحافظ ابن حجرؒ نے ’’تلخیص الحبیر‘‘ میں حضرت معمرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ:

’’لو أن رجلا اخذ بقول أهل المدينة فى استماع الغناء واتيان النساء فى أدبارهن وبقول أهل مكة فى المتعة والصرف وبقول أهل الكوفة فى المسكر كان شرّ الرجال‘‘۔

خلاصہ یہ ہے کہ تقلید مطلق کی کھلی اجازت دینے میں اس قسم کے اتباع ہویٰ (خواہش نفس کی پیروی) کا شدید خطرہ پیدا ہوگیا تھا، اس لئے علماء نے چوتھی صدی ہجری میں تقلید شخصی کو واجب قرار دے دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ’’حجة الله البالغه‘‘ میں علماء کے اس فیصلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: وكان هذا هو الواجب فى ذالک الزمان۔ (یعنی اس زمانہ میں تقلید شخصی کرنا ہی واجب ہوگیا تھا)

ایک اشکال کا جواب

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جو چیز عہد صحابہ میں واجب نہ تھی وہ بعد میں کیسے واجب ہوگئی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ’’الانصاف فى بيان سبب الاختلاف‘‘ میں لکھا ہے کہ:

واجب کی دو قسمیں ہیں، ایک واجب لعینہٖ دوسرے واجب لغیرہ، واجب لعینہٖ تو وہی چیزیں ہیں جن کو عہد رسالت میں واجب کر دیا گیا، اور اس کے بعد ان میں اضافہ نہیں ہوسکتا، لیکن واجب لغیرہٖ میں اضافہ ہوسکتا ہے، اور وہ اس طرح کہ مقصود تو ایک واجب کی ادائیگی ہوتی ہے لیکن اگر اس واجب کی ادائیگی کا کسی زمانہ میں صرف

ایک طریقہ رہ جائے تو وہ طریقہ بھی واجب ہو جاتا ہے، مثلاً عہد رسالت میں احادیث کی حفاظت واجب تھی، لیکن کتابت واجب نہ تھی، کیونکہ حفاظتِ حدیث کا فریضہ حافظہ سے بھی ادا ہو جاتا، لیکن بعد میں جب حافظوں پر اعتماد نہ رہا تو حفاظتِ حدیث کا کوئی طریقہ بجز کتابت کے نہیں تھا، اس لئے کتابت واجب ہوگئی۔

اسی طرح عہد صحابہ وتابعین میں غیر مجتہد کے لئے مطلق تقلید واجب تھی، لیکن جب تقلید مطلق کا راستہ پُرخطر ہوگیا تو اب صرف تقلید شخصی ہی کو واجب قرار دے دیا گیا،

اس کی ایک واضح نظیر یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے قرآن کریم کو کسی بھی رسم الخط میں لکھنا جائز تھا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک شدید فتنہ کے سدِّ باب کے لئے پوری امت کو ایک رسم الخط پر جمع کر دیا، اور دوسرے رسم الخط پر لکھنا ناجائز قرار دے دیا جس پر امت کا اجماع منعقد ہوگیا، اس کے بارے میں کوئی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ ایک غیر واجب کو واجب کیسے قرار دے دیا گیا، بالکل یہی معاملہ تقلید شخصی کا بھی ہے کہ ایک عظیم فتنہ کے سدِّ باب کے لئے اس کو واجب قرار دیا گیا ہے۔[1]

نہایت افسوس ناک بات

دین کو نقصان پہنچانے میں اس سے بڑھ کر کوئی اور فتنہ نہیں ہو سکتا

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنے سفرنامہ "نو دن روس میں" (شوال ۱۴۲۷ھ/نومبر 2006ء) میں تحریر فرماتے ہیں:

..........مجھے ایک افسوس ناک اطلاع یہ ملی تھی کہ روس کے مختلف حصوں سے کچھ نوجوان جو سعودی عرب میں مکمل یا نامکمل تعلیم حاصل کر کے آئے ہیں، انتہاء پسند اور

[1] درس ترمذی جلد اول ص ۱۱۸ تا ۱۲۱

جو شلے ''سلفی'' بن کر لوٹے ہیں، چونکہ داغستان میں اکثریت شافعی علماء کی ہے اور ان میں زمانہ دراز سے تصوف کے سلسلے چلے آتے ہیں، شافعی مسلک میں بدعات کے سلسلے میں بھی کچھ توسع پایا جاتا ہے، اس لئے ان نوجوانوں نے یہاں آ کر بڑا تشدد آمیز رویہ اختیار کیا ہے، امام شافعیؒ کی تقلید اور تصوف کی شدت سے مخالفت شروع کر دی ہے اور بعض نے تو یہاں کے قدیم علماء کو مشرک تک کہنا شروع کر دیا ہے اور اس کی بناء پر یہاں کے مسلمانوں میں خاصا انتشار پیدا ہو رہا ہے۔

یہاں شافعی مسلک کی اکثریت ہے، اور نقشبندی سلسلہ تصوف سے بھی علماء اور عوام صدیوں سے مانوس چلے آتے ہیں، کچھ جو شیلے سلفی نوجوانوں نے یہاں تقلید، تصوف اور بہت سی رائج رسوم کے خلاف نہایت متشددانہ رویہ اختیار کیا، اور یہاں کے علماء پر گمراہی بلکہ شرک تک کے فتوے لگائے۔

اس پس منظر میں میرے خطاب کا مرکزی موضوع یہ تھا کہ:

''کمیونزم کے جبر واستبداد سے آزاد ہونے کے بعد روس کے مسلمانوں کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟''

اس ضمن میں میں نے عرض کیا کہ آج اگر روس کے مسلمانوں میں اسلام اور اسلامی شعائر کا کوئی نشان باقی ہے تو وہ ان علماء کی بدولت ہی ہے، جنہوں نے کمیونسٹ اقتدار کی تاریک رات میں اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر علم دین کی شمع روشن رکھی اور اپنے معاشی مفادات اور راحت وآرام کو قربان کر کے آنے والی نسلوں کے دین وایمان کا تحفظ کیا، لہٰذا نوجوان مسلمانوں کو اپنے ان اکابر کی قدر پہچاننی چاہئے اور یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ دین میں فروعی اختلافات ہر دور میں رہے ہیں، لیکن ان کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف کفر وشرک کے فتوے صادر کرنے کا فائدہ دشمنانِ اسلام کے سوا کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔

آج روس کی صورتحال یہ ہے کہ تقریباً پچھتّر سال تک اسلام اور اسلامی شعائر کو کچلنے کی جو کوششیں جاری رہیں، ان کے نتیجے میں عام مسلمان دین کی بنیادی تعلیمات سے ہی بے بہرہ ہو چکے ہیں، ان کو اس وقت دین کے مبادی کا علم پہنچانے کی ضرورت ہے، اس فضاء میں اگر استواء علی العرش اور تقلید وعدم تقلید کے مسائل کھڑے کر کے یہاں اختلاف کا بیج بویا جائے گا تو دین کو نقصان پہنچانے کا اس سے بڑھ کر کوئی اور فتنہ نہیں ہوسکتا، لہٰذا عام مسلمانوں کیلئے سلامتی کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ اپنے اکابر علماء سے وابستہ رہیں اور اگر کوئی شک وشبہ ہو بھی تو اسے باہمی جنگ وجدل کے بجائے افہام وتفہیم کی فضاء میں حل کریں۔

الحمدللہ! یہ گذارشات توجہ سے سنی گئیں، بعد میں لوگوں نے بتایا کہ اس خطاب کا نوجوانوں پر بھی اثر ہوا اور علماء کرام نے بھی اطمینان کا اظہار کیا کہ الحمدللہ یہ بات بڑی برمحل اور مفید ثابت ہوئی۔[1]

فروعی مسائل میں الجھنے کے بجائے باطل طاقتوں، مشرکانہ رسموں سے مقابلہ میں اپنی صلاحیت اور توانائی صرف کیجئے

مفسر قرآن فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اس وقت جب کہ ایک طرف تو کھلے ہوئے کفر، عیسائیت اور کمیونزم نے پورے اسلامی ممالک اور اسلامی حلقوں پر گھیر اڈالا ہوا ہے، اور یہ دونوں کفر طوفانی رفتار کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں صرف پاکستان میں ہزاروں کی تعداد ہر سال مرتد ہو جاتی ہے دوسری طرف کفر، نفاق اور الحاد خود اسلام کا نام لینے والوں میں کہیں قادیانیت اور مرزائیت کے لباس میں، کہیں پرویزیت اور انکار حدیث کے عنوان سے کہیں مغرب

[1] سفر در سفر ص ۷۹

سے لائی ہوئی اباحیت اور تمام محرّ ماتِ شرعیہ کو حلال کرنے کے طریقوں سے ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں اور یہ الحاد، کفر و نفاق پہلے کفر سے اس لئے زیادہ خطرناک ہے کہ اسلام اور قرآن کے عنوان کے ساتھ آتا ہے جن کے دام میں سیدھے سادھے جاہل عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے ہمارے نوتعلیم یافتہ نوجوان بہ کثرت اس لئے آجاتے ہیں کہ نئی تعلیم اور نئی معاشرت نے ان کو دینی تعلیم اور اسلامی اصول سے اتنا دور پھینک دیا ہے کہ وہ مادّی علوم وفنون کے ماہر کہلانے کے باوجود مذہب اور دین کی ابتدائی معلومات سے بھی محروم کردیئے گئے ہیں اور کھلے اور چھپے کفر کی ان ساری اقسام سے بھی اگر کچھ خوش نصیب مسلمان بچ جائیں تو فحاشی، عریانی، ننگے ناچ، رقص وسرور کی محفلوں اور گھر گھر ریڈیو (ٹی وی) کے ذریعہ فلمی گانوں اور سینماؤں کی زہریلی فضاؤں سے کون ہے جو بچ نکلے۔

اسلام اور قرآن کا نام لینے والے مسلمان آج سارے جرائم اور بداخلاقیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ہمارے بازار جھوٹ، فریب، سود قمار سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کے چلانے والے کوئی یہودی نہیں ہندو بنئے نہیں اسلام کے نام لیوا ہیں، ہمارے سرکاری محکمے رشوت ظلم وجور، کام چوری، بے رحمی اور سخت دلی کی تربیت گاہیں بنے ہوئے ہیں اور ان کے کارفرما بھی نہ انگریز ہیں نہ ہندو، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لینے والے روزِ آخر پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والے ہیں ہمارے عوام علمِ دین سے کورے، جہالتوں میں ڈوبے ہوئے دین کے فرائض وواجبات سے بیگانہ، مشرکانہ رسموں اور کھیل تماشوں کے دلدادہ ہیں۔

ان حالات میں کیا ہم پر یہ واجب نہیں کہ ہم غور وفکر سے کام لیں اور سوچیں کہ اس وقت ہمارے آقا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ اور توقع اہل علم سے کیا ہوگی؟ اور اگر محشر میں آپ نے ہم سے سوال کرلیا کہ میرے دین اور شریعت پر اس طرح کے حملے ہو رہے تھے، میری امت اس بدحالی میں مبتلا تھی، تم وراثتِ نبوت کے دعویدار کہاں

تھے؟ تم نے اس وراثت کا کیا حق ادا کیا؟ تو کیا ہمارا یہ جواب کافی ہوجائے گا کہ ہم نے رفع یدین کے مسئلہ پر ایک کتاب لکھی تھی یا کچھ طلباء کو شرح جامی کی بحث حاصل ومحصول خوب سمجھائی تھی، یا حدیث میں آنے والے اجتہادی مسائل پر بڑی دلچسپ تقریریں کی تھیں یا صحافیانہ زورِ قلم اور فقرہ بازی کے ذریعہ دوسرے علماء وفضلاء کو خوب ذلیل کیا تھا۔

فروعی اور اجتہادی مسائل میں بحث وتمحیص کو مذموم چیز نہیں، اگر وہ اپنی حد کے اندر اخلاص سے اللہ کے لئے ہوتی، لیکن جہاں ہم یہ دیکھ رہے ہوں کہ اسلام وایمان کی بنیادیں متزلزل کردینے والے فتنوں کی خبر ہم سنتے ہیں، اللہ ورسول کے احکام کی خلاف ورزی بلکہ استہزاء وتمسخر اپنے آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں مگر ہمارے کان پر جوں نہیں رینگتی تو اس کی کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ فروعی بحثیں ہم اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے کررہے ہیں، اگر ان میں کچھ للّٰہیت اور اخلاص ہوتا تو ہم ان حالات کے تحت اسلام اور دین کے تقاضوں کو پہچانتے اور فروع سے زیادہ اصول اسلام کی حفاظت میں لگے ہوتے، ہم نے تو گویا علمی اور دینی خدمات کو انہیں فروعی مباحث میں منحصر سمجھ رکھا ہے اور سعی وعمل کی پوری توانائی اسی پر لگا رکھی ہے، اسلام کے اصولی اور بنیادی مسائل اور ایمان کی سرحدوں کو دشمنوں کی یلغار کے لئے خالی چھوڑ دیا ہے، لڑنا کس محاذ پر چاہئے تھا اور ہم نے طاقت کس محاذ پر لگادی، إنّا للہ و إنّا إلیہ راجعون، یہ تو تحزّب وتعصب کے غلو کا نتیجہ ہے۔[1]

ذرا اس پہلو سے سوچئے اور غور کیجئے!

فرقوں اور جماعتوں کے ذمہ دار اس پر غور کریں کہ جن مسائل میں ہم جھگڑ رہے ہیں کیا وہی اسلام کے بنیادی مسائل ہیں، جن کے لئے قرآن نازل ہوا؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، آپ نے اپنی زندگی ان کے لئے وقف کردی

[1] وحدت امت ملحقہ جواہر الفقہ ص ۱۴۳ ج ۱

اوران کے پیچھے ہرطرح کی قربانیاں دیں؟ یابنیادی مسائل اورقرآن اوراسلام کااصلی مطالبہ کچھ اور ہے؟ جس ملک میں ایک طرف عیسائی مشنریاں اپنی پوری قوت اور دنیاوی چمک دمک کے ساتھ اس کوعیسائی ملک بنانے کے خواب دیکھ رہی ہیں، ایک طرف کھلے بندوں خدا اور رسول اوران کی تعلیمات کا مذاق اڑایا جارہاہے، ایک طرف قرآن اور اسلام کے نام پر وہ سب کچھ کیا جارہاہے جس کودنیا سے مٹانے ہی کے لئے قرآن اور اسلام آیا تھا، اس جگہ صرف فروعی مسائل اوران کی تحقیق وتنقیداور ترویج کی کوششوں میں الجھ کران بنیادی مہمات سے غفلت برتنے والوں سے اگراللہ تعالیٰ ورسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ مطالبہ ہوکہ ہمارے دین پر یہ افتادیں پڑرہی تھیں،تم نے اس کے لئے کیا کیا؟ تو ہمارا کیا جواب ہوگا؟ مجھے یقین ہے کہ کوئی فرقہ کوئی جماعت جب ذرا اپنے وقتی جھگڑوں سے بلند ہوکر اس کوسوچے گی تو اس کو اپنی موجودہ مصروفیات پر ندامت ہوگی اوراس کی کوشش کا رخ بدلے گا، اس کے نتیجے میں باہمی آمیزش یقیناً کم ہوگی، میں اس وقت کسی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنے خیالات ومزعومات کو بدلے۔

گزارش صرف اتنی ہے کہ اپنی توانائی صرف کرنے کا صحیح محل تلاش کرکے اس پرلگادیں اور باہمی اختلاف کوصرف حلقۂ درس یافتوی یا تحقیقی رسائل تک محدود کردیں اور ان میں بھی لب ولہجہ قرآنی اصولِ دعوت کے مطابق نرم رکھیں،فقرے کسنے اور دوسرے کی توہین کرنے کو زہر سمجھیں، ہمارے پبلک جلسے،اخبارات، اشتہار بجائے باہمی آویزش کوہوادینے کے اسلام کے بنیادی اور متفق علیہ مسائل پرلگ جائیں تو پھر ہماری جنگ، جوفساد کی صورت اختیار کرچکی ہے، دوبارہ جہاد میں تبدیل ہوجائے گی اور اس کے نتیجے میں عوام کا رخ بھی باہمی جنگ وجدل سے پھرکر دین کی صحیح خدمت کی طرف ہوجائے گا۔[۱]

۱؎ اختلاف امت پرایک نظرص ۴۴۵ جواہرالفقہ ج۱

ہماری توانائیوں اور صلاحیتوں کا نہایت غلط استعمال

ہماری ساری توانائی اور علم وتحقیق کا زور آپس کے اختلافی مسائل میں صرف ہوتا ہے وہی ہمارے وعظوں، جلسوں، رسالوں اور اخباروں کا موضوع بحث بنتے ہیں، ہمارے اس عمل سے عوام یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ دینِ اسلام صرف ان دو چیزوں کا نام ہے اور جس رخ کو انہوں نے اختیار کرلیا ہے اس کے خلاف کو گمراہی اور اسلام دشمنی سے تعبیر کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں ہماری وہ طاقت جو کفر والحاد اور بے دینی اور معاشرہ میں بڑھتی ہوئی بے حیائی کے مقابلہ پر خرچ ہوتی آپس کی جنگ وجدل میں خرچ ہونے لگتی ہے، اسلام وایمان ہمیں جس محاذ پر لڑنے اور قربانی دینے کے لئے پکارتا ہے وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لئے خالی پڑا نظر آتا ہے، ہمارا معاشرہ سماجی برائیوں سے پُر ہے، اعمال واخلاق برباد ہیں معاملات ومعاہدات میں فریب ہے، سود قمار بازی شراب خنزیر، بے حیائی، بدکاری ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر چھا گئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ انبیاء کے جائز وارث اور ملک وملت کے نگہبانوں کو آج بھی اپنے سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں پر جتنا غصہ آتا ہے اس سے آدھا بھی ان خدا کے باغیوں پر کیوں نہیں آتا؟ اور آپس کے نظریاتی اختلاف کے وقت جس جوش ایمانی کا اظہار ہوتا ہے وہ ایمان کے اس اہم محاذ پر کیوں ظاہر نہیں ہوتا؟ ہمارا زورِ زبان اور زورِ قلم جس شان سے اپنے اختلافی مسائل میں جہاد کرتا ہے اس کا کوئی حصہ سرحدات اور اصول ایمانی پر ہونے والی یلغار کے مقابلہ میں کیوں صرف نہیں ہوتا؟ مسلمانوں کو مرتد بنانے والی کوششوں کے بالمقابل ہم سب بنیانِ مرصوص کیوں نہیں بن جاتے؟۔

آخر ہم اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ بعثت انبیاء اور نزولِ قرآن کا وہ مقصد عظیم جس نے دنیا میں انقلاب برپا کیا اور جس نے غیروں کو اپنا بنالیا جس نے اولاد آدم کو

بہیمیت سے نکال کر انسانیت سے سرفراز کیا اور جس نے ساری دنیا کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا، کیا وہ صرف یہی مسائل تھے جن میں ہم الجھ کر رہ گئے ہیں اور کیا دوسروں کو ہدایت پر لانے کا طریق اور پیغمبرانہ دعوت کا یہی عنوان تھا جو آج ہم نے اختیار کر رکھا ہے؟۔

اَلَمْ یَانِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَانَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کئے ہوئے حق کی طرف جھک جائیں۔

آخر وہ کونسا وقت آئے گا جب ہم اپنے نظریاتی اور نظامی مسائل سے ذرا آگے بڑھ کر اصولِ اسلام کی حفاظت اور بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کو اپنا اصلی فرض سمجھیں گے ملک میں عیسائیت اور کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی خبر لیں گے، قادیانیت کا، انکار حدیث اور تحریف دین کے لئے قائم شدہ اداروں کا پیغمبرانہ دعوت واصلاح کے ذریعے مقابلہ کریں گے۔

اور اگر ہم نے یہ نہ کیا اور محشر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ سوال فرمالیا کہ میری شریعت اور میرے دین پر یہ حملے ہو رہے تھے، اسلام کے نام پر کفر پھیلایا جارہا تھا، میری امت کو میرے دشمنوں کی امت بنانے کی کوشش مسلسل جاری تھی، قرآن وسنت کی کھلے طور پر تحریف کی جارہی تھی، خدا اور رسول کی نافرمانی اعلانیہ کی جارہی تھی تم مدعیانِ علم کہاں تھے؟ تم نے اس کے مقابلہ پر کتنی محنت اور قربانی پیش کی؟ کتنے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستے پر لگایا؟ تو آج ہمیں سوچ لینا چاہئے کہ ہمارا کیا جواب ہوگا۔[1]

[1] وحدت امت، جواہر الفقہ ص۴۲۶ ج۱

علماء کرام سے دردمندانہ گذارش

اس لئے ملت کا درد اور اسلام وایمان کے اصول ومقاصد پر نظر رکھنے والے حضرات علماء سے میری دردمندانہ گذارش یہ ہے کہ مقصد کی اہمیت اور نزاکت کو سامنے رکھ کر سب سے پہلے تو اپنے دلوں میں اس کا عہد کریں کہ اپنی علمی وعملی صلاحیت اور زبان وقلم کے زور کو زیادہ سے زیادہ اس محاذ پر لگائیں گے جس کی حفاظت کے لئے قرآن وحدیث آپ کو بلا رہے ہیں۔

(۱) علماء کرام! اس بات کا عہد بھی کیجئے اور فیصلہ بھی کہ اس کام کے لئے اپنے موجودہ مشاغل میں سے زیادہ سے زیادہ وقت نکالیں گے۔

(۲) دوسرے یہ کہ آپس کے نظریاتی اور اجتہادی اختلاف کو صرف اپنے اپنے حلقہ درس اور تصنیف وتالیف اور فتویٰ تک محدود رکھیں گے، عوامی جلسوں اخباروں اشتہاروں، باہمی مناظروں اور جھگڑوں کے ذریعہ ان کو نہ اچھالیں گے، ان حلقوں میں بھی پیغمبرانہ اصول دعوت واصلاح کے تابع دلخراش عنوان اور طعن وتشنیع استہزاء وتمسخر اور صحافیانہ فقرہ بازی سے گریز کریں گے۔

(۳) تیسرے یہ کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی بیماریوں کی اصلاح کے لئے دلنشین عنوان اور مشفقانہ لب ولہجہ کے ساتھ کام شروع کردیں گے۔

(۴) چوتھے یہ کہ الحاد وبے دینی اور تحریفِ قرآن وسنت کے مقابلہ کے لئے پیغمبرانہ اصول دعوت کے تحت حکیمانہ تدبیروں، مشفقانہ وناصحانہ بیانوں اور دلنشیں دلائل کے ذریعہ **مجادلہ بالتی ھی احسن** کے ساتھ اپنے زورِ زبان اور زورِ قلم کو وقف کردیں گے۔[۱]

تمت

---

[۱] وحدت امت، جواہر الفقہ ص ۴۲۷

مآخذ ومراجع

(۱)اجتماعی اجتہاد (حضرت مولاناؒ کے تین صدارتی خطبات کا مجموعہ)
(۲)اجتہاد اور فقہی بحث وتحقیق (خطبہ بمناسبت دوسرا فقہی سیمنار دہلی)
(۳)اجتہاد کی حاجت وضرورت (خطبہ بمناسبت پہلا فقہی سیمنار)
(۴)اجتہاد اور فقہی مذہب کا ارتقاء (ملحقہ خطبات علی میاں ج ۶)
(۵)اختلاف امت پر ایک نظر (ملحقہ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ)
(۶)ارشاد الفحول (علامہ شوکانیؒ)
(۷)اسلام اور موسیقی (مفتی محمد شفیع صاحبؒ) (۸)افکار سلیمانی
(۹)اورنگ زیب اور تدوین فتاویٰ عالمگیری (مولانا صدر الحسن صاحب ندوی)
(۱۰)البعث الاسلامی ج ۲۹ ش ۱ (مقالہ حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب مدظلہٗ)
(۱۱)پیام ندوہ (حضرت مولانا محمد الحسنیؒ)
(۱۲)پیام عرفات جلد ۶ شمارہ ۱۰ (ماہ نامہ رسالہ رائے بریلی)
(۱۳)تاریخ دعوت وعزیمت: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ
(۱۴)تاریخ ندوۃ العلماء
(۱۵)تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث (المعہد العالی ندوۃ العلماء لکھنؤ)
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے فقہی مضامین کا مجموعہ
(۱۶)تذکرہ سلیمان (۱۷)تعمیر حیات
(۱۸)تقلید واجتہاد (حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی)
(۱۹)حکیم الامت کے آثار علمیہ (مقالہ علامہ سید سلیمان ندویؒ، مآثر حکیم الامت)
(۲۰)خطبات علی میاں (مطبوعہ دہلی) (۲۱)خطبات مفکر اسلام (مطبوعہ لکھنؤ)

(۲۲) درس ترمذی (مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

(۲۳) روداد چمن

(۲۴) سفر در سفر (سفر نامہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)

(۲۵) سیرۃ النعمان (علامہ شبلیؒ) (۲۶) شذرات سلیمانی

(۲۷) فتاویٰ ابن تیمیہ

(۲۸) فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین (مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ)

(۲۹) فتاویٰ عالمگیری المسوئی کا بنیادی ماخذ

(مقالہ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب فلاحی، رسالہ سہ ماہی تحقیقات علی گڑھ جلد ۳۳ شمارہ ۳)

(۳۰) فتاویٰ خلیلیہ (مقدمہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

(۳۱) فتاویٰ علماء ہند (مقدمہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی)

(۳۲) فتاویٰ ندوۃ العلماء (مقدمہ حضرت مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی)

(۳۳) فقہ اسلامی اور عصر جدید (مقالات حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)

(۳۴) فیوض الحرمین (حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ)

(۳۵) القراۃ الراشدہ (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

(۳۶) قرآنی افادات (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

(۳۷) کاروان زندگی (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

(۳۸) مآثر حکیم الامت (۳۹) مقدمہ مجموعہ قوانین اسلامی، مولانا علی میاںؒ)

(۴۰) محدثین کے یہاں فقہ اور فقہاء کی اہمیت (مولانا سید سلمان الحسینی ندوی)

(۴۱) مطالعہ حدیث کے اصول ومبادی (مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

(۴۲) معارف سلیمان نمبر (۴۳) ندوۃ کا فقہی مزاج (مولانا منور سلطان)

(۴۴) وحدت امت (ملحقہ جواہر الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

کارکنانِ تبلیغ کے لیے مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی مفید باتیں اور اہم ہدایات

(حصہ اوّل)

﴿افادات﴾

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگّا ہردوئی روڈ، لکھنؤ